ہفت روزہ

ندائے خلافت

لاہور

۲ جنوری ۹۶ء

☆ فوجی افسروں کی سازش ..... مگر کس کے خلاف : نقطہ نظر

☆ محاصرے اور گرفتاریاں کراچی والوں کا مقدر ٹھہری ہیں : مکتوب کراچی

☆ بوسنیا امن معاہدہ ..... نیو ورلڈ آرڈر کا کرشمہ : واقعات عالم

حدیث امروز

جنرل (ر) محمد حسین انصاری

انتہائے عروج

قرآن مجید میں جن چند راتوں کا ذکر ہے ان میں شب قدر اور شب معراج کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ یہ دونوں راتیں بڑی قدر و منزلت اور عظمت و شرف رکھنے والی ہیں۔ گزشتہ ہفتے ۱۹، ۲۰ دسمبر کی درمیانی رات (۲۷ رجب) شب معراج تھی۔ آج سے ۱۴۱۷ سال قبل ۲۷ رجب ہی کی رات ایک ایسا محیر العقول واقعہ پیش آیا تھا کہ جس نے انسانی تاریخ میں تہلکہ مچادیا۔ اسی شب نبی آخر الزمان محمد رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے حضور بلالیا اور احکامات صادر فرمائے۔ یہ واقعہ کمالات کا مظہر تھا۔ اس میں ہر شے کمال کو پہنچی اور ہر کمال اپنے عروج کو پہنچا۔ انسانیت کا وہ سفر جس کا آغاز انسان اول کے جنت سے نکل کر زمین پر قدم رکھنے سے ہوا اس کی تکمیل انسان کامل ؐ کے رفعتوں کے بلند ترین مقام پر پہنچنے سے ہوئی۔ انسانی ارتقاء کو بھٹک جانے سے بچانے کے لئے نسخہ کمال روزانہ پانچ وقتہ نماز کی صورت میں عطا ہوا۔ یہ رات بندگی کے کمال کی مظہر تھی کہ احکم الحاکمین نے اپنے محبوب ترین بندے ؐ کو بنفس نفیس ایسی اعلیٰ و ارفع بلندی پہ پہنچایا کہ جہاں کسی اور کی رسائی نہ تھی اور یوں اس کی منفرد شان کو اپنی تمام کائنات پر واضح کردیا۔ یہ ایسا کمال سفر تھا کہ جس میں رفتار اس حد کو پہنچی جہاں وقت اپنی ہیئت کھو بیٹھا۔ یہ ایسا کمال تجربہ تھا کہ مشاہدات حق الیقین کے اس درجے کو پہنچے جہاں قلب و نظر کے تمام ممکنہ شبہات ہمیشہ کے لئے چھٹ گئے۔

الحمد للہ کہ چند روز پیشتر ایمان والوں کو ایک بار پھر ان عظیم الشان حقائق پر غور کرنے کا موقع نصیب ہوا۔ ہر مسجد میں معراج النبی علی صاحبہ الصلوۃ والسلام کے موضوع پر علماء دین نے روشنی ڈالی۔ اکثر مساجد میں چراغاں ہوا۔ لوگوں نے اپنے اپنے انداز میں خیرات کا اہتمام کیا۔ اس بابرکت موقع پر جذباتی کیفیت کے اظہار کے یہ مختلف طریقے تھے۔ تاہم شب معراج کا امت مسلمہ سے متعلق اہم ترین مضمون نماز ہے۔ خوش بخت ہیں وہ لوگ جنہوں نے اس موقع کی خصوصی مناسبت سے اپنے عمل پر غور کیا اور آئندہ نماز کے نظام کے قیام کے لئے انفرادی اور اجتماعی ذمہ داری پورا کرنے کے عہد کی تجدید کی۔ نماز ہی سب سے اول اور افضل عمل ہے جو اسلامی طرز حیات کی پہچان ہے' برائی سے بچنے کا پرہیزی نسخہ ہے' راہ راست پر گامزن رہنے کی ترکیب ہے' ایفائے عہد کا ثبوت ہے' پابندی نظم کا مظہر ہے اور بندگی کی معراج ہے۔ یہی تو راز خودی ہے' مگر وائے قسمت ہماری واضح اکثریت اسی سے غافل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم انفرادی اور اجتماعی سطح پر خوار ہیں۔ نہ گھر میں سکون ہے اور نہ باہر عزت۔ اس کھوئی ہوئی منزل کو پالینے کا واحد طریقہ قومی سطح پر اقامت صلوٰۃ کی ترغیب اور نظام صلوٰۃ کا نفاذ ہے۔

شب معراج کے حوالہ سے ایک اور نکتہ قابل غور ہے۔ معراج کے سفر مبارک کے زمینی حصے کا پڑاؤ جہاں سے آسمانی حصے کا آغاز ہوا مسجد اقصیٰ ہے۔ یہیں تمام انبیاء علیہم السلام نے سید الانبیاء والمرسلین محمد رسول اللہ ﷺ کی امامت میں نماز ادا کی۔ وائے نصیب! یہ مقدس مقام اب یہودیوں کے قبضے میں ہے جہاں مسلمانوں کی اجتماعی عبادت ممنوع ہے۔ کیا یہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھنے اور اس پر ایمان رکھنے والے ہر مسلمان' مسلمانوں کے ہر ملک اور پوری امت مسلمہ کی غیرت ایمانی کے لئے چیلنج نہیں؟ قدرت نے تمہیں سب کچھ دیا۔ فن حرب کے اعتبار سے کرۂ ارض پر اہم علاقے تمہارے قبضے میں' دولت بے شمار تمہارے تصرف میں' عددی لحاظ سے دنیا کی کل آبادی کا پانچواں حصہ تم' پھر بھی تمہاری اجتماعی حالت زار کا یہ عالم! کیا جواب دو گے تم اے اکابرین ملت کہ جب "امت وسط" کا لقب پانے والوں کو قیامت کے روز گواہ کی حیثیت سے طلب کیا جائے گا۔ کیا یہ عذر اللہ رب العزت کے حضور قابل قبول ہو سکے گا کہ امریکہ ہماری راہ میں حائل تھا؟ ○○

قیمت : ۸ روپے

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الھدیٰ

وہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے' اور جو کچھ تم چھپاتے ہو اور جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو سب اس کو معلوم ہے' اور وہ دلوں کا حال تک جانتا ہے○

(کہ جب خالق و صانع وہی ہے تو اس سے کیا چیز مخفی رہ سکتی ہے! وہ غیب و شہادہ ہر شے کو جاننے والا ہے' یہاں تک کہ انسانوں کے خیالات و عزائم' ان کی نیتیں اور ارادے' اور ان کی آرزوئیں اور امنگیں' غرضیکہ کوئی شے اس سے پوشیدہ نہیں)

کیا تمہیں ان لوگوں کی خبر نہیں پہنچی جنہوں نے اس سے پہلے کفر کیا اور پھر اپنی شامت اعمال کا مزا چکھ لیا؟ اور آگے ان کے لئے ایک دردناک عذاب ہے○

(تاریخ گواہ ہے کہ جن قوموں نے رسولوں کی دعوت کا انکار کیا' انہیں اسی دنیا میں عذاب ہلاکت سے دوچار کر دیا گیا۔ اور اسی پر بس نہیں' آخرت میں ایک ہولناک عذاب ابھی ان کا منتظر ہے)

حافظ عاکف سعید

اس انجام کے مستحق وہ اس لئے ہوئے کہ ان کے رسول ان کے لئے کھلی کھلی دلیلیں اور نشانیاں لے کر آتے رہے' مگر انہوں نے کہا کیا انسان ہمیں ہدایت دیں گے؟ پس انہوں نے انکار کر دیا اور بے اعتنائی کا مظاہرہ کیا' تب اللہ بھی ان سے بے پروا ہو گیا اور اللہ تو ہے ہی بے نیاز اور اپنی ذات میں آپ محمود○

(ان قوموں کے کفر کا سبب یہ نہیں تھا کہ رسولوں کی دعوت میں کوئی ابہام تھا اور اس کا فہم حاصل کرنا ان کے لئے مشکل ہو گیا تھا' بلکہ وہ تو ہدایت کے روشن چراغ بن کر آئے تھے' اصل معاملہ یہ تھا کہ حقیقت منکشف ہو جانے کے باوجود وہ اپنے فسق و فجور کی بدولت انکار پر اڑے رہے اور انہوں نے اپنے انکار کا سبب یہ بتایا کہ ایک بشر کیونکر رسول ہو سکتا ہے! خوئے بدرا بہانہ بسیار۔ یہی ذہنیت بعد میں اس شکل میں ظاہر ہوتی ہے کہ رسول کی محبت میں غلو کرنے والے رسول کی رسالت کی بنیاد پر اس کی بشریت کی نفی کر دیتے ہیں!!)

(سورۃ التغابن' آیت ۴ تا ۶)

جوامع الکلم

یقیناً اللہ تعالیٰ اس قرآن کی بدولت بہت سی اقوام کو سربلندی عطا فرمائے گا اور بہت سوں کو ذلت اور نامرادی سے ہمکنار کرے گا

(کہ جس کسی نے قرآن حکیم کو دنیا کی عام کتابوں پر قیاس کیا اس سے زیادہ حقیقت ناشناس اور کوئی نہ ہو گا۔ یہ کتاب تو فیصلہ کن میزان بن کر نازل ہوئی ہے' قوموں کی تقدیر کا فیصلہ اب اس کی بنیاد پر ہو گا۔ جو قوم اس سے وابستہ ہو گی اسے اللہ تعالیٰ عروج عطا فرمائیں گے اور جس نے اسے ترک کر دیا اس کی قسمت میں ذلت و نکبت کے سوا اور کچھ نہ ہو گا۔ وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہو کر' اور تم خوار ہوئے تارک قرآں ہو کر!)

(صحیح مسلم بروایت حضرت عمرؓ بن خطاب)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ایڈیٹر کے ڈیسک سے!

۱۹۹۵ء کا سال اپنی آخری سانسیں پوری کر رہا ہے۔ ان سطور کی تحریر کے ٹھیک چار روز بعد نئے سال کا سورج طلوع ہو جائے گا اور سال ۱۹۹۵ء ماضی کے اوراق کا حصہ بن جائے گا۔ اس گزرے ہوئے سال پر جب ہم بحیثیت مسلمانان پاکستان اور بحیثیت افراد امت مسلمہ نگاہ واپسیں ڈالتے ہیں تو بقول شاعر "دامن میں ہے مشت خاک جگر' ساغر میں شراب حسرت ہے" کے سوا اور کچھ ہاتھ پلے نہیں آتا۔ اس سال میں اگر ہم نے کوئی ترقی کی ہے تو صرف معاشی بدحالی میں' اور کوئی پیش قدمی اگر کی ہے تو محض انحطاط و زوال میں کہ جس کا دائرہ افراد سے بڑھ کر پوری قوم کو اور اخلاقیات سے بڑھ کر زندگی کے ہر اجتماعی گوشے کو اپنی گرفت میں لے چکا ہے۔ کرۂ ارضی کے مختلف خطوں میں خون مسلم کی ارزانی کا وہی حال ہے بلکہ پہلے سے بدتر صورت ہے۔ کشمیر ہو یا بوسنیا اور فلسطین ہو یا چیچنیا مسلمانوں کا خون مسلسل رس رہا ہے۔ بوسنیا کے امن معاہدہ کا اگرچہ بہت چرچا ہے لیکن اس کے جلو میں سو اندیشے بھی سر اٹھاتے دکھائی دے رہے ہیں۔ افغانستان میں لاکھوں جانوں کی قربانی دینے کے بعد بھی نہ امن بحال ہو سکا ہے نہ نفاذ اسلام کی منزل سر ہوئی ہے۔ صدمے کی بات یہ ہے کہ مسلمانان عالم پر پے بہ پے غموں کے پہاڑ ٹوٹ رہے ہیں لیکن اس "خون صد ہزار انجم" سے سحر پیدا ہوتی کہیں نظر نہیں آتی۔ اللہ کے دین سے غداری اور بے وفائی کی یہ سزا ہے جو مسلمانان عالم کو مل رہی ہے۔ اس کی تلافی جب تک ہم نہیں کریں گے' اور اس کی واحد صورت یہی ہے کہ اسلام کے نظام عدل اجتماعی یعنی نظام خلافت کو قائم و نافذ کرنے پر کمربستہ ہو جائیں' اس وقت تک مسلمانوں کی اس حالت زار میں بحیثیت مجموعی کوئی مثبت تبدیلی رونما نہیں ہوگی اور وہ صورت برقرار رہے گی جس کا نقشہ اقبال نے "شکوہ" میں ان الفاظ میں کھینچا ہے: رحمتیں ہیں تری اغیار کے کاشانوں پر' برق گرتی ہے تو بے چارے مسلمانوں پر! اللھم اعذنا من ذلک۔

☆ ☆ ☆

اسلام دشمن طاقتیں جس سرعت کے ساتھ اور جس ہمہ گیر منصوبہ بندی کے ساتھ اسلام کی جڑوں کو کمزور کرنے اور مسلمانوں کو روح دین اور دینی اقدار سے بیگانہ کرنے کے لئے سرگرم عمل ہیں اس کا کسی قدر اندازہ "پس منظر" کے زیر عنوان مضمون سے ہوتا ہے جو زیر نظر شمارے میں شامل ہے۔ "Mass Literacy" کے خوشنما نعرے کے ساتھ مسلمان عوام کی برین واشنگ کے مذموم عزائم کی تکمیل کے لئے بنگلہ دیش میں ۱۹۷۲ء میں' یعنی متحدہ پاکستان کے ٹوٹنے کے فوراً بعد' عالمی مالیاتی اداروں کی زیر سرپرستی BRAC کے نام سے ایک ادارہ تشکیل دیا گیا جس کی وسعت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس کا ۱۹۹۵ء کا سالانہ بجٹ چالیس کروڑ کے لگ بھگ ہے۔ اس ادارے نے ناخواندگی دور کرنے کا جو پروگرام بنایا ہے اس کی تفصیلات کو دیکھتے ہوئے یہ اندازہ کرنا مشکل نہیں کہ محض خواندگی کے مقصد کو ہی اگر مدنظر رکھا جائے تب بھی ظاہری چمک دمک تو بڑی خیرہ کن ہے لیکن پکوان بالکل پھیکا ہے۔ نظام تدریس ایسا ہے کہ ان تین سالوں میں خواندگی میں تو کوئی خاص اضافہ نہیں ہوتا لیکن ان کا اصل مقصد یعنی مسلمان عوام کو دینی اقدار سے برگشتہ کرنا اور بالخصوص خواتین میں جنسی بے راہ روی کو عام کرنا' نہایت کامیابی سے پورا ہوتا ہے۔ اس مضمون کے ساتھ ہماری دلچسپی کا ایک اہم سبب یہ ہے کہ عمران خان بھی' جو پاکستان میں ایک قومی ہیرو کے طور پر ہی جانے پہچانے نہیں جاتے' پاکستان میں اسلام کے مستقبل کے حوالے سے بھی ان سے نیک توقعات وابستہ کی جاتی ہیں' خواندگی کی ترویج اور Mass Literacy کی بات بہت شد و مد سے کرتے ہیں۔ اس ضمن میں ہماری ان سے گزارش بس اسی قدر ہے کہ وہ بنگلہ دیش کے مذکورہ تجربے کے تناظر میں اپنی تعلیمی سکیم کا بھرپور تنقیدی جائزہ لیں۔ انہوں نے بھی اگر بنگلہ دیش کی طرح ورلڈ بینک' یونیسف' یونیسکو اور اسی قسم کے اداروں سے تعاون حاصل کیا تو ان کا یہ تعلیمی منصوبہ مسلمانوں کی خیر خواہی کا نہیں' بدخواہی کا موجب ہوگا اور لوگ یہ سمجھنے میں حق بجانب ہوں گے کہ عمران خان دانستہ یا نادانستہ یہودی سازشی عناصر کے آلہ کار کا کردار ادا کر رہے ہیں!!

تاخلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

تحریکِ خلافت پاکستان کا نقیب

ہفت روزہ ندائے خلافت لاہور

بانی مدیر: اقتدار احمد مرحوم

جلد ۵ شمارہ ۱

۲ جنوری ۹۶ء

1

مدیر: حافظ عاکف سعید

معاون مدیر: نثار احمد ملک

یکے از مطبوعات

تحریک خلافت پاکستان

۴ - اے' مزنگ روڈ' لاہور

مقام اشاعت

۳۶ - کے' ماڈل ٹاؤن' لاہور

فون: ۳-۵۸۶۹۵۰۱

پبلشر: محمد سعید اسعد   طابع: رشید احمد چودھری
مطبع: مکتبہ جدید پریس' ریلوے روڈ لاہور

قیمت فی پرچہ: ۸ روپے
سالانہ زر تعاون (اندرون پاکستان) ۱۵۰ روپے

زر تعاون برائے بیرون پاکستان

☆ ترکی' اومان' مصر — ۱۳/ امریکی ڈالر
☆ سعودی عرب' کویت' بحرین' قطر' عرب امارات' بھارت' بنگلہ دیش' یورپ' جاپان — ۲۰ امریکی ڈالر
☆ امریکہ' کینیڈا' آسٹریلیا' نیوزی لینڈ — ۲۶ امریکی ڈالر

بوسنیا امن معاہدہ .... نیو ورلڈ آرڈر کا کرشمہ!!

اس معاہدے کو بوسنیا کی بندر بانٹ ہی قرار دیا جا سکتا ہے!

یورپ کے قلب میں مسلمان ریاست کے قیام کو روکنے کی امریکی سازش پایہ تکمیل کو پہنچ گئی

نیو ورلڈ آرڈر کا اگلا ٹارگٹ کشمیر ہے؟

شمس العارفین

مسلمانوں کو بے بس اور کمزور کرنا نئے عالمی استعمار کی پالیسیوں کا لازمی جز ہے۔ ان استحصالی عزائم کی طرف تیزی سے پیش رفت جاری ہے۔ معاہدہ اوسلو کے ذریعے فلسطین میں نام نہاد خود مختار حکومت کے قیام کے بعد امریکہ کی ریاست اوہایو (OHIO) کے مقام ڈیٹن (Dayton) میں نومبر کے آخری ہفتے میں طے پانے والا بوسنیا امن معاہدہ نیو ورلڈ آرڈر کا شاخسانہ ہے' جس نے بوسنیا ہرزیگووینا کی مکمل آزادی کے خواب کو امریکہ کی فضاؤں میں تحلیل کر دیا ہے۔ اس معاہدے کو بجا طور پر بوسنیا ہرزیگووینا کی کروشیا اور سربیا کے درمیان بندر بانٹ کا نام دیا گیا ہے۔ بوسنیا کے مسلمانوں نے اس معاہدے کے خلاف احتجاج بھی کیا ہے۔ مسلمان ماہرین بین الاقوامی امور اس معاہدے کو بوسنیائی مسلمانوں سے ظلم و ناانصافی اور عالم اسلام کی بے بسی کی علامت قرار دے رہے ہیں۔ بوسنیا امن معاہدے کے چیدہ چیدہ نکات درج ذیل ہیں۔

علاقائی تقسیم

۱) بوسنیا کو نظری اعتبار سے ایک وحدت کی حیثیت حاصل ہو گی اور بین الاقوامی سطح پر اس وحدت کو تسلیم کیا جائے گا۔

۲) ریاست بوسنیا کے عملی اعتبار سے دو اجزا ہوں گے :(۱) بوسنیا' کروشیا وفاق جو بوسنیا ہرزیگووینا کے ۵۱ فی صد رقبے پر مشتمل ہو گا۔

۳) بوسنیائی' سرب جمہوریہ ۴۹ فی صد علاقے کو کنٹرول کرے گی۔ یہ دونوں حصے ایک مرکزی حکومت کے تحت ہوں گے۔

۴) گورازدے (Gorazde) کو بوسنیا' کروشیا وفاق سے ملا دیا جائے گا جبکہ سربرینکا اور زیپا کو بوسنیائی سرب جمہوریہ میں شامل کر دیا جائے گا۔ مزید برآں بوسنیا' کروشیا وفاق بوسنیائی سرب جمہوریہ کے شمالی مشرقی اور شمالی مغربی علاقوں کو آپس میں اور سربیا سے ملانے کے لئے راہداری فراہم کرے گا۔

۵) بوسنیا ہرزیگووینا کا دارالحکومت سرائیو نظری اعتبار سے تو ایک وحدت ہو گا مگر انتظامی اعتبار سے وفاق اور بوسنیائی سرب جمہوریہ کے خود مختار علاقوں پر مشتمل ہو گا۔ سربیائی اسکولوں اور بلدیاتی اداروں کو بوسنیائی سرب جمہوریہ کنٹرول کرے گی۔

> "چند فوائد کے بدلے میں بوسنیائی مسلمانوں کو بے دست و پا کر کے جو قیمت وصول کی گئی ہے وہ بہت بھاری ہے۔ اس معاہدے کی بدولت بوسنیائی مسلمان سوشلزم کے شکنجے سے نکل کر نئے عالمی استعمار کے پنجوں میں چلے گئے ہیں' جہاں سے نکلنا ان کے لئے مشکل تر ہو گا"

۶) ایک کثیر اللسانی قومی پارلیمنٹ (Multi-ethnic Parliament) اور ایک آئینی عدالت قائم کی جائے گی۔ اس عدالت کے نو میں سے تین ججوں کی تقرری کا اختیار یورپی انسانی حقوق کی عدالت کو حاصل ہو گا۔

قیام امن

i) سربیا اپنی فوج اور بھاری اسلحہ کو پیچھے ہٹا لے گا۔ امریکی فوج بوسنیا کو اسلحہ کی فراہمی کے ساتھ ساتھ بوسنیائی افواج کی تربیت بھی کرے گی۔

ii) قیام امن کے لئے 60,000 کی تعداد میں ایک "Implementation Force" ناٹو (NATO) کی زیر نگرانی بوسنیا بھیجی جائے گی۔ صدر کلنٹن نے افواج کی روانگی کا باقاعدہ اعلان کر دیا ہے۔ آخری اطلاعات آنے تک صدر کلنٹن نے افواج کی روانگی کی باقاعدہ اجازت دے دی ہے۔ باقی فوج دوسرے ممالک فراہم کریں گے۔

iii) ایک فوجی کمیشن قائم کیا جائے گا جو Implementation Force کے کمانڈر اور متحارب فریقوں کے نمائندوں پر مشتمل ہو گا۔

iv) ایک ٹاسک فورس اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل کے زیر کمان قائم کی جائے گی۔ یہ فورس امن کے نفاذ میں مدد کے علاوہ مقامی انتظامیہ کی تربیت کا فریضہ بھی انجام دے گی۔

انتخابات

i) بوسنیا میں ۱۹۹۶ء میں چھ سے نو مہینوں کے اندر اندر عام انتخابات ہوں گے' جن کی نگرانی یورپی تنظیم برائے سلامتی و تعاون (OSCE) کرے

گی۔

(ii) بوسنیا کے نقل مکانی کر کے جانے والے باشندوں کو اپنے آبائی مقامات پر آبادکاری کی اجازت ہو گی اور وہ انتخابات میں ووٹ ڈالنے کے حقدار ہوں گے۔

(iii) ایک کمیشن برائے انسانی حقوق بھی قائم کیا جائے گا جس کے اراکین کی اکثریت کو یورپی کونسل نامزد کرے گی۔ یہ کمیشن یورپی انسانی حقوق کے کمیشن کے قوانین کا پابند ہو گا۔

(iv) یہ کمیشن انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کی تحقیق کرے گا۔

جنگی مجرم

(i) جنگی مجرموں مثلاً بوسنیائی سرب لیڈر کاراڈزچ (Karadzic) اور فوجی کمانڈر ملاڈچ (Mladic) وغیرہ پر بین الاقوامی عدالت انصاف میں مقدمہ چلایا جائے گا۔

(ii) جرائم کی تفتیش اور ملزموں کی گرفتاری میں بین الاقوامی فوج سے مکمل تعاون کیا جائے گا۔

(iii) جنگی مجرموں کو حکومت میں کوئی عہدہ نہیں دیا جائے گا۔

معاہدے پر اعتراضات

درج بالا معاہدے پر بہت سے اعتراضات کئے گئے ہیں۔ چنانچہ بوسنیا ہرزیگووینا کے وزیر خارجہ نے معاہدے میں بوسنیا کے ساتھ ہونے والی ناانصافیوں پر احتجاجاً استعفیٰ دے دیا اور مذاکرات سے علیحدہ ہو گئے۔ بوسنیائی اور کروشیائی باشندوں نے ڈیٹن (Dayton) اور بوسنیا میں معاہدے کے خلاف مظاہرے کئے ہیں۔ برطانیہ کے ایک سابق وزیر ڈینس ہیلے (Denis Healy) نے اپنے ایک مضمون میں (ڈان ۳۰ نومبر) کہا ہے کہ اس معاہدے کا اصل شکار صدر عزت بیگووچ ہیں' جنہیں اپنے ملک کی سربیا اور کروشیا کے درمیان بندربانٹ پر راضی ہونا پڑا ہے۔ انہوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ یہ معاہدہ وینس اوون (Vanec-owen) منصوبہ کے مقابلے میں بوسنیائی باشندوں کے لئے کہیں زیادہ غیر منصفانہ ہے۔ اس کے علاوہ پاکستان کے ماہرین امور خارجہ اس معاہدے کو مسلمانوں سے ناانصافی اور عالم اسلام کی بے بسی اور زبوں حالی کی علامت قرار دے رہے ہیں۔

اس معاہدے پر کئے جانے والے اعتراضات میں سے چند ایک درج ذیل ہیں :

(i) بوسنیا اور سرائیوو کو عملی طور پر دو انتظامی اکائیوں میں تقسیم کر کے مسلمانوں کو کمزور کر دیا گیا ہے۔

(ii) سربرنیکا (Serbrenica) اور زیپا (Zepa) کے علاقے جن کو سلامتی کونسل نے محفوظ شہر قرار دیا تھا بوسنیائی سربوں کے حوالے کر دیا گیا ہے۔ سربوں کو دی جانے والی اس رعایت پر بوسنیائی باشندوں نے سب سے زیادہ احتجاج کیا ہے۔

(iii) بوسنیائی سربوں کی اقلیت کو خود مختاری دے دی گئی ہے' جس سے ریاست کے اندر ریاست (State within State) کی شکل پیدا ہو گئی ہے۔

(iv) آئینی عدالت اور ایوان انسانی حقوق میں یورپی کونسل کی مداخلت سے بوسنیا کے قانون اور عدالت پر یورپ کو بالادستی حاصل ہو گئی ہے' جس سے بوسنیا کی آزادانہ حیثیت متاثر ہو گی۔

معاہدے کے مثبت پہلو

اس معاہدے کے مثبت پہلو جن سے مسلمانوں کو فائدہ پہنچے گا وہ یہ ہیں۔

(i) سربیا اپنی افواج کو بوسنیا سے نکال لے گا' یوں مسلمانوں کے قتل عام کا خاتمہ ہو جائے گا' جس سے امن قائم ہو گا۔

(ii) بوسنیا پر سے ہتھیاروں کی پابندی ہٹالی جائے گی نیز امریکی فوج بوسنیا کی خود مختاری کی حفاظت کرے گی اور بوسنیائی افواج کو تربیت دے گی۔

ان چند فوائد کے بدلے میں بوسنیائی مسلمانوں کو بے دست وپا کر کے جو قیمت وصول کی گئی ہے وہ بہت بھاری ہے۔ اس معاہدے کی بدولت بوسنیائی مسلمان سوشلزم کے شکنجے سے نکل کر نئے عالمی استعمار کے پنجوں میں چلے گئے ہیں۔ جہاں سے نکلنا ان کے لئے مشکل تر ہو گا۔ اس طرح یورپ اور امریکہ کے پالیسی سازوں کی یورپ میں مسلمانوں کی آزاد ریاست کے قیام کو روکنے کی دیرینہ خواہش پوری ہو گئی ہے۔

معاہدہ اوسلو کے بعد جس طرح معاہدہ ڈیٹن (Dayton) کے ذریعے مسلمانوں کو بے وقوف بنایا گیا ہے۔ اس سے دکھائی دیتا ہے کہ اب کشمیر کی باری آنے والی ہے اور امریکہ بہادر جلد ہی کشمیریوں کے ہاتھوں میں کلاشنکوفوں کی جگہ امن معاہدہ کا کھلونا تھما دے گا۔ اگلے کچھ ہی عرصے میں امریکہ تمام کشمیری راہنماؤں کو اپنے ہاں جمع کر کے ایسے ہی کسی نام نہاد امن معاہدے کی شروعات کرنا چاہتا ہے۔ ابھی ہمارے پاس وقت ہے کہ فوری طور پر بھارت کے ساتھ باہم گفت وشنید سے مسئلے کو حل کرنے کی کوشش کریں ورنہ بعد میں دونوں ممالک ہاتھ ملتے رہ جائیں گے اور امریکہ ایشیاء کے قلب میں ایک نیا اسرائیل قائم کر دے گا۔ OO

نمک پارے / شکرپارے

شفیع ایم انعام

زمانہ

"آپ مانیں یا نہ مانیں انسان نے زمانے کو ہمیشہ برا بھلا کہا ہے"۔ لیکچرار نے کلاس کے لڑکوں کو دوران لیکچر یہ بات ذرا زور دے کر کہی۔ لڑکے آپس میں چہ میگوئیاں کرنے لگے۔ ایک لڑکے نے ہمت کر کے پوچھا۔ "سر! یہ زمانہ کس عمر سے شروع ہوتا ہے؟"

آزمائش

"صاحب جی وقت پڑنے پر پتہ چلتا ہے کہ آپ کے بہت قریبی عزیز' دوست واحباب آپ کا کتنا ساتھ دیتے ہیں"۔ افیم کے نشئی نوکر نے صاحب کی ٹانگیں دباتے ہوئے کسی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ "بھئی تمہیں کبھی یہ تجربہ ہوا ہے؟" صاحب نے پوچھا۔

"ہاں صاحب جی! میں نے اپنے نشے کی عادت پوری کرنے کے لئے ایک دفعہ بیوی سے کچھ رقم اور نہ ہونے کی صورت میں وہ آخری سونے کی چوڑی جو اس نے پہنی ہوئی تھی' مانگی۔ خدا جھوٹ نہ بلوائے وہ ادھم مچا کہ بس کچھ نہ پوچھیں۔ بیترا سمجھایا کہ بھلی بی! یہ سب تو تمہیں آزمانے کے لئے کہہ رہا تھا"۔

ہمارے زوال کا اصل سبب مادہ پرستی ہے

ہجرت کر کے پاکستان آنے والے لوگوں کے ذمے اسلام کے عادلانہ نظام کو قائم کرنا فرض تھا!

اصلاح احوال کے لئے توبہ' تجدید ایمان اور تجدید عہد کی تحریک برپا کرنا ہوگی

کراچی کے لوگوں کو جاگیرداروں کی غلامی تسلیم نہ کرنے کی سزا مل رہی ہے؟

نجیب صدیقی

گزشتہ قوموں پر جب اللہ کا عذاب آتا تھا تو وہ اسے اپنی شامت اعمال کا نتیجہ قرار نہیں دیتے تھے بلکہ اسے اسباب و عمل کے خانے میں ڈال دیتے تھے۔ بعینہ یہی صورتحال یہاں کی ہے۔ بگڑی ہوئی امت کا طرز فکر بھی بگڑ جاتا ہے۔ اپنی بداعمالیوں کی طرف نہیں دیکھتی بلکہ وہ دوسروں پر اس کی ذمہ داری ڈالتی ہے۔ آج ہمارے معاشرے کے ہر فرد کا یہی حال ہے۔ اوپر سے نیچے کی سطح تک سبھی اس مرض میں گرفتار ہیں۔ حکومت کو مہنگائی کی طرف توجہ دلائی جاتی ہے تو وہ کہتی ہے کہ پڑوسی ملک بھارت میں اس سے زیادہ گرانی ہے۔ چوری' ڈکیتی اور قتل کی بات جب کی جائے تو "واشنگٹن" کا حوالہ دیا جاتا ہے کہ وہاں اس سے زیادہ قتل اور ڈکیتیاں ہوتی ہیں۔ اپنی غلط کاری کا جواز اس طرح فراہم کیا جاتا ہے۔ بجٹ کا خسارہ اس لئے ہوتا ہے کہ عوام الناس ٹیکس ادا نہیں کرتے۔ ٹیکس نادہندگان میں سرفہرست وہ جاگیردار ہیں جو اس ملک پر قابض ہیں' انہیں وہ نظر نہیں آتے اس لئے کہ حکومت کی "اسٹیرنگ" ان کے ہاتھ میں ہے۔ وہ ملک کی گاڑی کو جس طرف چاہتے ہیں لے جاتے ہیں۔ بعض اعتبارات سے مارشل لاء سے زیادہ بدتر نظام یہ جاگیرداری نظام ہے۔ اب تو مارشل لاء کے وسائل پر بھی ان کا قبضہ ہوگیا ہے۔ ان سے جب پوچھا جاتا ہے کہ بھارت میں تو جمہوریت ہے' وہاں کے لوگوں کو جمہوری حقوق حاصل ہیں' وہ اپنے سیاہ و سفید کا خود فیصلہ کرتے ہیں' نہ ان کے سر پر I.M.F کی تلوار ہے اور نہ امریکہ بہادر کا "تحکم" ہے' تو کہا جاتا ہے کہ ہمارے ملک میں طویل مارشل لاء رہا ہے اس لئے یہاں جمہوریت پنپ نہ سکی۔

جمہوریت کو فروغ دینے میں حائل وہ جاگیردارانہ انداز فکر ہے جس کے برگ و بار کارپوریشن کی سطح سے لے کر قومی اسمبلی تک بچشم سر دیکھے جاسکتے ہیں۔ ملک و ملت سے محبت نہ حکمران طبقے کو ہے نہ عوام الناس ہی میں نظر آتی ہے۔ ایک بے حسی ہے جو چہار اطراف پھیلی ہوئی ہے۔ عوام الناس مفادات کے چکر میں مختلف گروہوں میں بٹ گئے ہیں۔ وہ اگر کسی کا ساتھ دیتے ہیں تو مفادات کے حوالے سے اور کسی سے اختلاف کرتے ہیں تو مفادات کے ٹکراؤ کے سبب کرتے ہیں۔ عدل و انصاف کی مٹی پلید جو ہمارے ملک میں ہے شاید کہیں نہ ہو۔ قانون صرف حکمرانوں کے تحفظ کے لئے ہے۔ گویا یہ ان کا کھیل ہے اور وہ اس کھیل میں مصروف ہیں یا پھر قانون کا استعمال عوام کو ڈرانے دھمکانے اور دبانے کے کام آتا ہے۔

> "حقوق کی جنگ میں جتنی لاشیں گری ہیں یا گرائی گئی ہیں اگر اس سے نصف قربانی اسلام کے نظام عدل اجتماعی کے قیام کیلئے دی جاتی تو آج پاکستان کا منظر دوسرا ہوتا"

جھوٹ اس ڈھٹائی سے بولا جاتا ہے کہ اب سچ پر بھی جھوٹ کا گمان ہوتا ہے۔ خبروں کی تصدیق کے لئے غیر ملکی ذرائع ابلاغ کی طرف رجوع کیا جاتا ہے اور یہ یقین ہوتا ہے کہ وہ سچ بولے گا۔ ہمارے یہاں سے سچ کو دیس نکالا دے دیا گیا ہے۔ ہر تقریر اور بیان کو لوگ ڈرامہ قرار دیتے ہیں۔ لہٰذا اعتماد نام کی کوئی شے معاشرے میں نظر نہیں آتی۔ حکومت نے تو گویا یہ طے کرلیا ہے کہ وہ کوئی صحیح اقدام نہیں کرے گی۔ کراچی میں جو کچھ ہو رہا ہے اس کی کئی سطحیں ہیں۔ اس کی بنیادی وجہ مفادات کی کشمکش ہے۔ زیادہ سے زیادہ بٹورنے' زیادہ سے زیادہ گھسیٹنے اور زیادہ سے زیادہ حاصل کرنے کی دھن نے اس کشمکش کو جنم دیا ہے۔ جاگیردارانہ ذہن اس کی پشت پر ہے۔ دوسرے علاقوں میں جاگیرداروں کا پورا تسلط ہے۔ وہاں ان کی مرضی کے بغیر نہ کوئی تحریک چل سکتی ہے نہ کوئی مطالبہ کیا جاسکتا ہے۔ کراچی جاگیرداری کے دست برد سے بچا ہوا تھا مگر حکومت انہی جاگیرداروں کی ہے۔ وہ کیسے دوسروں کو حقوق دے سکتے ہیں۔ وہ عدل و انصاف کے نظام کو کیسے قائم کرسکتے ہیں۔ اسی وجہ سے یہ کشمکش آج مار دھاڑ میں تبدیل ہو چکی ہے۔ کراچی کے لوگ اپنی آزاد مرضی چاہتے ہیں۔ وہ جاگیرداروں کی غلامی کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں۔ اس بات کی سزا انہیں مل رہی ہے اور اسی عذاب میں وہ مبتلا ہیں۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ہم پورے کے پورے مادہ پرست بن گئے ہیں' مادہ پرستی نے ہمیں ہمارے اس مقصد حیات سے کاٹ دیا ہے۔ جس کو بروئے کار لانے کے لئے پاکستان بنایا گیا تھا اور اسلام کے عدل اجتماعی کے نفاذ کو اپنا ہدف مقرر کیا گیا تھا۔ مفادات کے حصول کی دوڑ نے ہمیں امت مسلمہ کے اونچے مقام سے گرا کر گروہوں اور قومیتوں میں بانٹ دیا ہے۔ دل ایک دوسرے سے پھٹ چکے ہیں۔ یہود کے لئے یہ بات کہی گئی تھی کہ تم انہیں ایک جمعیت دیکھتے ہو مگر ان کے دل ایک دوسرے سے پھٹے ہوئے ہیں۔ آج وہی حال ہمارا ہے۔ ایک مسجد میں ایک امام

(باقی صفحہ ۱۸ پر)

سقوطِ ڈھاکہ ...... غیر بنگالیوں پر کیا قیامت ٹوٹی تھی؟

ہزاروں افراد کو جیلوں میں ڈھور ڈنگروں کی طرح ٹھونسا گیا!

یومِ سقوط مشرقی پاکستان کی مناسبت سے ہمارے مستقل قلمی معاون جناب محمد سمیع کی ذاتی تجربات اور تلخ یادوں پر مبنی خصوصی تحریر، جس میں عبرت کا وافر سامان موجود ہے

سقوط ڈھاکہ کے نتیجے میں مشرقی پاکستان میں رہائش پذیر غیر بنگالیوں پر ایک افتاد آن پڑی تھی۔ راقم ڈھاکہ کے شہر کی بستی میرپور میں ان دنوں مقیم تھا۔ میرے مکان سے متصل ایک ہائی اسکول کا کمپاؤنڈ تھا جہاں بنگلہ دیش سیکورٹی فورس نے کیمپ قائم کر لیا تھا۔ ان دنوں خانہ تلاشیوں کا سلسلہ جاری تھا۔ مقصد اسلحہ کی تلاش تھی۔ مکتی باہنی والے گھروں کی تلاشی لے رہے تھے۔ وہ تو شکر ہے کہ ان کے ہمراہ ہندوستانی فوجی ہوا کرتے تھے جن کی موجودگی میں ان کی جرات نہ ہوتی تھی کہ وہ ہمارے ساتھ کوئی زیادتی کر سکیں۔ پھر ایک صبح غالباً ۱۵ فروری کی تاریخ تھی ہمیں پتہ چلا کہ ہندوستانی فوجی ہٹا لئے گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہمارے دشمن ہی کے ذریعہ ہماری حفاظت کا جو انتظام کیا تھا وہ ختم ہو گیا تھا۔ یہ اس کی حکمتیں ہوتی ہیں کبھی وہ دشمنوں کے ذریعہ حفاظت کا انتظام کر دیتا ہے اور کبھی اپنوں ہی کی زیادتیوں کا نشانہ بنا دیتا ہے۔ جیسا کہ آج کل شہر کراچی میں ہو رہا ہے۔ ایک رات پتہ چلا کہ مکتی باہنی کے لوگوں نے گھروں میں گھس کر نوجوانوں کو اٹھایا۔ پتہ نہیں کتنے بد قسمت تھے جن کا بعد میں کوئی پتہ نہ چلا۔ اب خطرات کا آغاز ہو چکا تھا۔ میں نے طے یہ کیا کہ اپنے اہل خانہ کو پڑوس کے اہل خانہ کے ساتھ اکٹھا کر دیا جائے اور خود گھر میں رہا جائے۔ اس رات جب مکتی باہنی والوں نے میرے گھر کا دروازہ کھٹکھٹایا تو میں دیوار پھلانگ کر پڑوس میں کود گیا۔ مکتی باہنی والے گھر میں نہ پا کر پڑوس کا دروازہ کھٹکھٹانے لگے۔ میں دیوار پھلانگ کر پھر واپس اپنے مکان میں آ گیا۔ جب مکتی باہنی والے چلے گئے تو میں پڑوس میں حالات معلوم کرنے گیا۔ گھر کے بزرگ نے بتایا کہ کسی نوجوان کو گھر میں نہ پا کر وہ جا چکے ہیں۔ میں نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔

اب اہل بستی یعنی میرپور کے سیکشن نمبر ایک کے ہزاروں افراد نے مسجد میں پناہ لینی شروع کر دی۔ ہم بھی اپنے گھر سے کچھ ضروری سامان لے کر مسجد میں منتقل ہو گئے۔ مسجد میں تل دھرنے کو جگہ نہیں تھی۔ بہرحال بیٹھنے کی جگہ تو مل ہی گئی تین دن اسی حال میں گزرے۔ جو کچھ بھی میسر تھا اسی پر گزارہ کیا گیا۔ صورتحال یہ ہو گئی کہ ہمیں کچے چاول تک چبانے پڑے۔ پیٹ کی بھوک تو آخر مٹانی ہی تھی۔ پھر ایک صبح بندوق کی نوک پر مردوں کو اٹھانے کا سلسلہ شروع ہوا۔ میں بھی ان میں شامل تھا۔ چلتے وقت میں نے ایک پینٹ پر دو شرٹس اور اوپر سے ایک کوٹ پہنا ہوا تھا۔ جوتے اتار کر میں نے اپنی والدہ مرحومہ کے حوالے کئے کیونکہ اس جوتے کے سول میں میں نے ایک ہزار روپے ٹنکوا لئے تھے۔ والدہ کو بھی اس کا علم تھا۔ پھر ہم سب قریب کے ایک میدان میں جمع کئے گئے۔ محلّے کے دو بنگالی آئے اور انہوں نے ہم میں سے کچھ افراد کو اٹھانا شروع کیا۔ میری زبان پر درود شریف کا ورد جاری تھا۔ اندیشہ یہ تھا کہ یہ دونوں جاننے والے ہیں کہیں اپنی بھی شامت نہ آ جائے۔ خیر یہ سلسلہ ختم ہوا۔ پھر بقیہ لوگوں کو بسوں میں بھرا جانے لگا۔ ہم سب نامعلوم مقام کی طرف روانہ ہوئے۔ راستے میں ایک شخص نے مجھے کوٹ اتارنے کو کہا۔ میں نے کورٹ اتار کر دیا تو اس نے اسے کھڑکی سے باہر پھینک دیا۔ اب میرے جسم پر پینٹ کے علاوہ دو قمیصیں تھیں۔ ننگے پاؤں، کڑاکے کی سردی، بہرحال برداشت کرنا تھا۔ گاڑی جب چوک بازار کی طرف مڑی تو ہمیں اندازہ ہوا کہ ہمیں جیل لے جایا جا رہا ہے۔ ہم سب کو ڈھاکہ سنٹرل جیل میں "ٹھونس" دیا گیا۔ تقریباً بارہ تیرہ ہزار افراد اس جیل میں بند کر دیئے گئے۔

وہاں پہنچتے ہی ہمارے سیل کے انچارج نے ہمیں مژدہ سنایا کہ اب آپ یوں سمجھیں گویا کہ Safety Camp میں آ چکے ہیں۔ یہاں آپ کو کوئی نہیں مارے گا۔ اطمینان سے رہیں۔ البتہ جو لوگ باہر رہ گئے ہیں ان میں سے جو عورتیں بچے کیمپوں میں منتقل کر دیئے گئے ہیں وہ بھی محفوظ ہیں۔ بقیہ لوگوں کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ بعد میں مجھے پتہ چلا کہ میرے اہل خانہ بھی ان میں شامل ہیں جو "مرا پارہ" کیمپ میں منتقل کر دیئے گئے ہیں۔ ہم تمام لوگوں کے لئے یہ مقام شکر تھا۔ مجھ سمیت پتہ نہیں کتنے لوگ تھے جنہوں نے کم ہی مسجدوں کا رخ کیا تھا لیکن اب باضابطہ نمازی بن چکے تھے۔ لیکن یہ بھی وقتی تبدیلی تھی اور میں یہ لکھنے میں عار نہیں سمجھتا کہ میں بھی ان بدنصیبوں میں شامل تھا جو جیل سے باہر آنے کے بعد دوبارہ اپنی پرانی روش پر چلنے لگے۔ البتہ "دیر آید درست آید" کے مطابق میں اب اپنی پرانی زندگی پر تائب ہو کر اللہ تعالیٰ کے دین کی سرفرازی میں لگ گیا ہوں اور یہ بھی ۔

> **"یہ اللہ کی حکمتیں ہوتی ہیں کہ کبھی دشمنوں کے ذریعے حفاظت کا انتظام کر دیتا ہے اور کبھی اپنوں ہی کی زیادتیوں کا نشانہ بنا دیتا ہے جیسا کہ آج کل شہر کراچی میں ہو رہا ہے"**

ایں سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

میں سمجھتا ہوں کہ ویسے تو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شمار بھی ممکن نہیں ہے۔ لیکن یہ غالباً اس بزرگ و برتر کی طرف سے سب سے بڑا احسان ہے جو اس حقیر سراپا تقصیر پر ہوا۔ آج جو جیل کی زندگی کے حوالے سے سطور لکھنے جا رہا ہوں وہ محض اپنی اور ساتھیوں کی عبرت پذیری کے لئے ہے' کوئی قصہ گوئی مقصود نہیں۔

بس ڈھاکہ سنٹرل جیل کے دروازے پر رک گئی اور ہم سب کو اندر ہانک دیا گیا۔ جیل کے مختلف Cells ہمارا انتظار کر رہے تھے۔ مجھے بھی اپنے ساتھیوں کے ساتھ ایک Cell میں ڈال دیا گیا جو اس بلڈنگ کی پہلی منزل پر تھا۔ پھر سنتری نے cell کے دروازے پر تالہ لگا دیا۔ رات اس طرح گزری کہ ہم تین قطاروں میں اس طرح سو رہے تھے کہ ایک کا سر دوسرے کے پیروں کے ساتھ اور دوسرے کا سر پہلے کے پیروں کے درمیان تھا۔ حالت یہ تھی کہ جس کروٹ جو لیٹا صبح تک اسی کروٹ لیٹا رہا کیونکہ کروٹ بدلنے کی بھی گنجائش نہ تھی۔ کسی نے خوب کہا ہے کہ نیند سوئی پر بھی آ جاتی ہے۔ صبح اذان سے قبل ہمیں سنتری نے اٹھا دیا۔ کمرے کے اندر جو بیت الخلا بنا ہوا تھا وہ ایسا محراب نما اور اتنا تنگ تھا کہ کوئی سیدھا کھڑا نہیں ہو سکتا۔ غالباً یہ صرف رات کے دوران حوائج ضرورت سے فارغ ہونے کے لئے تھا۔ ہمیں قطاروں میں بٹھا دیا گیا۔ وہاں مٹی کے برتن پڑے ہوئے تھے' انہیں لے کر ہم فقیروں کی طرح قطار سے لگ جاتے۔ ہمیں تو غالباً دوسرے دن ہی کھانا میسر آ گیا تھا۔ ہم سے پہلے جو لوگ پکڑے گئے تھے انہیں کئی دنوں تک کھانا نہیں ملا تو بھوک سے مجبور ہو کر جیل کے اندر کے کھیت سے کچی سبزی توڑ توڑ کر کھاتے رہے۔ جیل کی گنجائش سے چونکہ دس گنا زیادہ افراد قید میں ڈال دیئے گئے تھے۔ لہٰذا ہمیں ہر قسم کی مصیبت کا سامنا تھا۔ چاول بڑے بڑے ڈرموں میں ابالے جاتے تھے اور جب ہمیں مٹی کے پلیٹ میں چاول دیئے جاتے تو اس میں ڈرم سے نکلی ہوئی کثافتیں بھی موجود ہوتیں۔ سالن میں بیگن' میٹھا کدو اور اسی قسم کی وہ سبزیاں ہوتیں جنہیں ہم بادی کہا کرتے ہیں۔ ہفتہ میں ایک دن گوشت ملتا تھا اور اس کی مقدار یوں سمجھئے کہ یہ جو بازاروں میں کلیجی تلی جاتی ہے اس کے ٹکڑے کے برابر ایک دو ٹکڑے ہماری پلیٹوں میں ڈال دیئے جاتے۔ البتہ ضعیف لوگوں کے ساتھ انہوں نے یہ رعایت کی تھی کہ جو روٹی کھانا چاہے اسے روٹی مہیا کی جاتی تھی۔ گو کہ کھانے کو قطعی دل نہیں چاہتا تھا لیکن پیٹ کے دوزخ کو بھرنا ناگزیر ضرورت ہے لہٰذا کسی طرح زہر مار کرنا ہی پڑتا۔ کھانے کے بعد دوبارہ ہمیں cell میں بند کیا جاتا تو اس کا دروازہ دوسرے ہی دن کھلتا تھا۔

اب آئیے آپ کو cell کے اندر کے حالات بتائے جائیں۔ پرانے قیدیوں میں سے پھر ہماری گنتی شروع ہوئی۔ یعنی اتنی احتیاط کے باوجود جیل کے عملہ کو یہ خدشہ تھا کہ کہیں رات کے وقت کوئی قیدی فرار نہ ہو گیا ہو۔ جب انہیں اطمینان ہو گیا کہ سارے لوگ موجود ہیں تو پھر ہمیں نیچے ہانک دیا گیا۔ مقصد یہ تھا کہ رفع حاجت سے فارغ ہو کر جسے منہ ہاتھ دھونا ہو وہ اپنی یہ ضرورت پوری کرے۔ بیت الخلا ایک لائن سے بنے ہوئے تھے جو تمام کے تمام سامنے سے کھلے

> "مجھ سمیت پتہ نہیں کتنے لوگ تھے کہ جنہوں نے کم ہی مسجدوں کا رخ کیا تھا لیکن اب باضابطہ نمازی بن چکے تھے لیکن یہ بھی وقتی تبدیلی تھی"

ہوئے تھے اس کو (Pumping Place) پمپنگ پلیس کہا جاتا تھا۔ اب آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ہزاروں افراد کو فراغت حاصل کرنی ہوتی تھی۔ میرے ایک ساتھی نے جو پنجابی سوداگران دہلی کے طبقے سے تعلق رکھتے تھے اور ڈھاکے میں ان کا کنگھیوں کا کارخانہ تھا' انہوں نے مجھے بعد میں بتایا کہ ہفتوں انہوں نے اس طرف رخ نہیں کیا اور اس درمیان انہیں جو تکلیف ہوئی وہ اس کو بیان کرنے سے قاصر تھے۔ اب مسئلہ تھا دانتوں کی صفائی کا اور فراغت حاصل کرنے کے بعد ہاتھ کی صفائی کا کیونکہ ظاہر ہے کہ وہاں ٹوتھ پیسٹ صابن وغیرہ کا کوئی انتظام نہیں تھا اس کا حل یہ نکالا گیا کہ دن میں ایک وقت جو کھانا دیا جاتا تھا اس میں الگ سے نمک بھی دیا جاتا تھا جسے ہم محفوظ کر لیا کرتے تھے اور اس نمک کو ٹوتھ پیسٹ کی جگہ استعمال کرتے تھے اور زمین پر مٹی سے ہاتھ رگڑ کر پانی سے دھو لیا کرتے تھے۔ پھر جب لوگ اس تمام عمل سے فارغ ہو جاتے تو انہیں دوبارہ ان کے cells میں ہانک دیا جاتا تھا۔

پھر دن کے گیارہ بجے کے بعد ہمیں Fall in کروایا جاتا۔ ہماری گنتی ہوتی اور ہمیں نیچے ہانک دیا جاتا۔ کسی قیدی کو ہمارا انچارج بنا دیا جاتا تھا۔ پہلی مرتبہ ہمارا انچارج ایک بھنگی کو بنایا گیا۔ پھر ایک قاتل کو۔ میں یہ سوچا کرتا تھا کہ یہ بھی ہم پر اللہ تعالیٰ کا ایک عذاب ہی ہے کہ ہم پہ بھنگی اور قاتل قسم کے لوگوں کو مسلط کر دیا گیا ہے۔ پھر ظاہر ہے کہ اس بھیڑ میں ہر قسم کے لوگ شامل تھے۔ اچھے خاصے کھاتے پیتے لوگ جو شاندار بلڈنگوں میں رہائش پذیر ہوا کرتے تھے اور وہ بھی جو معاشرے کے نچلے طبقے سے تعلق رکھتے تھے۔ اس میں وہ بھی تھے جو تبلیغی جماعت میں ہوا کرتے تھے اور ہم جیسے لوگ بھی جن کا مذہب سے اس زمانے میں دور کا بھی واسطہ نہ تھا۔ ایک صاحب بس کے کنڈیکٹر ہوا کرتے تھے۔ وہ زور دار لہجے میں کہا کرتے تھے کہ دیکھو جو لوگ کل تک ہم سے سیدھے منہ بات کرنا بھی گوارا نہ کرتے تھے آج وہ ہمارے پہلو میں سو رہے ہیں۔ خود فریبی کا یہ عالم تھا کہ کبھی کوئی کہتا کہ یار سنا ہے شیخ مجیب الرحمن اپنی غلطی پر نادم ہے اور پھر پاکستان کو ایک کرنے کی باتیں ہو رہی ہیں۔ کوئی کہتا کہ "چین اور بنگلہ دیش میں مذاکرات چل رہے ہیں اور جلد ہی ہمیں پاکستان پہنچا دیا جائے گا"۔ ان دل خوش کن باتوں کے لئے ہم نے اس زمانے میں ایک اصطلاح وضع کی تھی وہ تھی "کڑا گل" جب دو افراد ایک دوسرے سے ملتے تو پوچھتے کہ بھائی سناؤ آج کا "کڑا گل" کیا ہے۔ اکثر قیدیوں کے رشتہ دار جیل میں اپنے عزیزوں سے ملنے کے لئے کسی طرح پہنچ جاتے۔ کچھ سامان بھی ساتھ لاتے مثلاً سگریٹ' صابن' یہ چیزیں اس طرح پہنچتیں کہ ان کا بیشتر حصہ لوگ درمیان میں غائب کر دیا کرتے تھے۔ لوگ زیادہ تر سگریٹ منگوایا کرتے تھے کہ یہ جیل میں کرنسی کا کام دیتا تھا۔ کسی پرانے قیدی سے کوئی کام لینا ہوتا یا کسی جیل کے عملے سے کوئی رعایت حاصل کرنی ہوتی تو

> "رات اس طرح گزری کہ ہم تین قطاروں میں اس طرح سو رہے تھے کہ ایک کا سر دوسرے کے پیروں کے ساتھ اور دوسرے کا سر پہلے کے پیروں کے درمیان تھا"

سگریٹ کی پیشکش ان تک پہنچا دی جاتی اور وہ کام ہو جایا کرتا تھا۔ آپ کو یہ سن کر ہنسی آئے گی کہ اس زمانے میں ڈھاکے میں ایک مشہور قوال ہوا کرتے تھے جن کا نام ایوب بنارسی تھا۔ وہ جیل میں بھی قوالی

کی محفلیں جمایا کرتے تھے اور لوگ داد میں انہیں سگریٹ پیش کیا کرتے تھے۔

ایک بار ایسا ہوا کہ مکتی باہنی کے کچھ نوجوانوں میں سے، جنہیں کسی وجہ سے حکومت نے جیل میں ڈال دیا تھا، ایک دو فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے، یا فرار ہونے کی کوشش کرتے ہوئے پکڑے گئے۔ جیل میں سائرن بجنے لگے۔ ایمرجنسی کی سی کیفیت ہو گئی۔ ہم نے جب اپنے انچارج سے پوچھا کہ اب کیا ہو گا تو اس نے کہا کہ ابھی جیل کا عملہ تمام cells میں جائے گا اور ہر ایک کی پٹائی ہو گی۔ اتنے میں دروازہ کھلا اور چار پانچ قیدی موٹے موٹے ڈنڈے لئے ہوئے کمرے میں داخل ہو گئے۔ ہم سب کو Fall in کروایا گیا۔ اتفاق سے ہمارے کمرے میں چار پانچ مکتی باہنی کے نوجوان تھے۔ لوگوں نے انہیں پکڑا اور اس طرح پٹائی شروع

"....اتنے میں دروازہ کھلا اور چار پانچ قیدی موٹے موٹے ڈنڈے لئے ہوئے کمرے میں داخل ہو گئے۔ مکتی باہنی کے جوانوں کو پکڑا اور اس طرح پٹائی شروع کی جس طرح دھوبی کپڑے کو دھونے کے لئے گھاٹ پر پٹختا ہے"

کی جس طرح دھوبی کپڑوں کو دھونے کے لئے گھاٹ پر پٹختا ہے وہ بے چارے تکلیف سے کراہتے جاتے اور ڈنڈے رواں تھے۔ یہاں تک کہ جب مارنے والے تھک گئے تو ہم بچ گئے کیونکہ وہ تھکن کی وجہ سے یا ان پر اپنا غصہ اتارنے کے بعد وہیں سے واپس ہو گئے۔ ہم نے اللہ تعالٰی کا شکر ادا کیا کہ اس نے ہمیں پٹائی سے بچا لیا۔

لوگوں کو معلوم ہوا کہ کسی طرح اگر جیل کے ہسپتال کا رخ کیا جائے تو وہاں کچھ آرام ملتا ہے یعنی بیٹھنے کی مناسب جگہ وغیرہ۔ تو صورت حال یہ ہوتی کہ آئے دن کسی کو نزلہ ہو رہا ہے تو کسی کے سر میں درد ہے تو کسی کی کمر میں۔ اس بہانے سے لوگ ہسپتال پہنچ جاتے اور اچھا خاصہ وقت وہاں گزار لیتے۔ ہسپتال کے عملے نے غالباً اس کو بھانپ لیا تو ایک دن سب کی جیبوں کی تلاشی ہوئی۔ پتہ چلا کہ کچھ حضرات کی جیب میں وہ تمام دوائیاں تھیں جو انہیں گزشتہ دنوں دی گئی تھیں۔ کوئی بیماری ہوتی تو وہ دوا استعمال کرتے۔ لہٰذا ہسپتال والوں نے علاج یہ نکالا کہ ساری دوائیں وہ پہلے ہی دن اپنے سامنے زبردستی پلا دیتے۔ اب اندازہ لگائیں کہ بیک وقت درجنوں گولیاں اور مکسچر کی پوری پوری شیشی حلق میں انڈیل دی جاتی تو پینے والے پر کیا گزرتی۔ اس کے بعد لوگوں نے ہسپتال کا رخ کرنا بند کیا۔

جب حالات کچھ نارمل ہونے لگے تو جن کے عزیز و اقرباء جیل سے باہر محفوظ تھے انہوں نے لوگوں کی ضمانتیں لینی شروع کیں۔ روزانہ Cell میں آ کر اس شخص کا نام پکارا جاتا جس کی ضمانت لی جا چکی تھی۔ یہ بھی بڑا عجیب مرحلہ تھا کہ جیسے ہی کوئی شخص cell میں کاغذ لئے داخل ہوتا ہر ایک شخص اس کا متمنی ہوتا کہ کاش اس کا نام پکارا جائے۔ آخر ایک دن راقم کی باری بھی آ ہی گئی۔ والدہ کو جوتوں کے اندر سے، جو میں چھوڑ کر آیا تھا، رقم مل چکی تھی۔ اس میں سے کچھ رقم میری ضمانت میں کام آئی۔ رات کے وقت مجھے جیل کے باہر پہنچایا گیا۔ والدہ اکیلی میری منتظر تھیں۔ اب سوال یہ پیدا ہوا کہ رات کے وقت کہاں چلا جائے۔ ہمارے لئے حالات بڑے مخدوش تھے۔ ہمارے دور کے ایک عزیز کا صابن کا کارخانہ وہیں جیل کے قریب تھا ان کی اہلیہ بنگالن تھی جب ان صاحب سے کہا گیا کہ ہمیں آج کی رات ان کے گھر میں گزارنے دیا جائے تو ان کی اہلیہ پریشان ہو گئیں لہٰذا وہ صاحب نہ مانے۔ بہرحال ایک اور بنگالی ہمارے واقف کاروں میں سے تھا۔ رات ان کے ہاں گزاری گئی۔ صبح ہم اپنے گھر پہنچے۔ مجھے تو گویا دوسری زندگی اللہ تعالٰی نے عطا کی تھی۔ لیکن اس کے فوراً ہی بعد مجھ پر انتہائی مہلک قسم کے یرقان کا حملہ ہوا۔ یہاں تک کہ لوگ میری زندگی سے ناامید ہو گئے۔ غالباً تین مہینے جیل میں رہا تھا۔ اتنے ہی عرصہ رہائی کے بعد بیمار رہا۔ لیکن اللہ تعالٰی نے صحت بخشی۔ دو تین تاریخیں عدالتوں میں بھگتائیں۔ ایک دن اپنے وکیل سے میں نے کہا کہ تمہیں مجھ سے جو کچھ لینا ہے لے لو، اب میں آئندہ پیشی پر نہیں آؤں گا۔ اس سے ڈیل ہو گئی۔ پتہ نہیں اس نے کب مقدمے کو التواء میں رکھ دیا ہو گا اور اس کیس کا کیا بنا ہو گا۔ بہرحال میں تو ہندوستان اور نیپال کے راستے پاکستان پہنچ گیا

فاعتبروا یا اولی الابصار OO

KHALID TRADERS
IMPORTERS – INDENTORS – STOCKISTS & SUPPLIERS OF WIDE VARIETY OF BEARINGS, FROM SUPER – SMALL TO SUPER – LARGE
AUTHORIZED AGENTS NTN BEARINGS

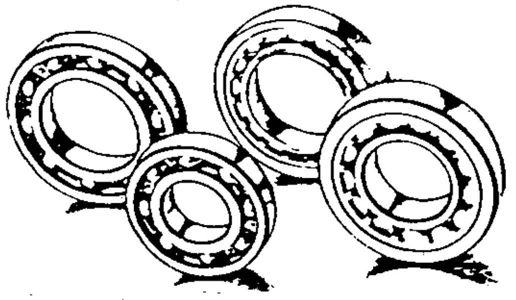

PLEASE CONTACT
TEL : 7732952-7735883-7730593
G.P.O. BOX NO. 1178, OPP KMC WORKSHOP
NISHTER ROAD, KARACHI-74200 (PAKISTAN)
TELEX : 24824 TARIQ PK CABLE : DIMAND BALL FAX : 7734776

FOR AUTOMOTIVE BEARINGS : Sind Bearing Agency 64 A-65, Manzoor Square Noman St. Plaza Quarters Karachi-74400 (Pakistan)
Tel : 7723358-7721172

LAHORE : (Opening Shortly) Amin Arcade 42, Brandreth Road, Lahore-54000 Ph : 54169

GUJRANWALA : 1-Haider Shopping Centre, Circular Road, Gujranwala Tel : 41790-210607

WE MOVE FAST TO KEEP YOU MOVING

پس منظر

خواندگی (Mass Literacy) کے پر فریب لبادے میں گھناؤنی یہودی سازش

اس سازش کا ہدف اول مسلمان خواتین ہیں

بنگلہ دیش میں 1972ء سے ایک منظم ادارہ "خواندگی" کے نام پر مسلم معاشرے میں زہر گھول رہا ہے

عالمی مالیاتی اداروں کے زیر سرپرستی بنگلہ دیش میں قائم شدہ ادارے BRAC کی شائع کردہ رپورٹ سے ماخوذ ایک چونکا دینے والا مضمون جس میں پاکستان کی ایک نامور شخصیت عمران خان کے لئے بھی غور و فکر اور سوچ بچار کا وافر سامان موجود ہے کہ جن کی جانب سے کم و بیش اسی نہج پر "خواندگی" کی تحریک چلانے کی بات متعدد حوالوں سے سننے کو ملی ہے۔ یہ مضمون ہم ماہنامہ خبرنامہ "الاتحاد الی الخیر" ملتان کے شکریئے کے ساتھ شائع کر رہے ہیں۔ (ادارہ)

نیو ورلڈ آرڈر کے تحت اہل کتاب نے مسلمانوں کے خلاف بے شمار محاذ کھول رکھے ہیں۔ سیاسی طور پر مسلمانوں کو ISOLATE کیا جا رہا ہے' سماجی طور پر انہیں دہشت گرد ثابت کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے' عسکری طور پر انہیں ہر جگہ نیست و نابود کرنے کی مہم جاری ہے' اندرونی طور پر بھائی کو بھائی سے لڑایا جا رہا ہے۔

مندرجہ بالا اقدام تو ایسے ہیں جو صاف نظر آتے ہیں لیکن اس کے باوجود من حیث القوم ہمارے اندر اہل کتاب کی جارحانہ پیش قدمی کو روکنے کے لئے کوئی جذبہ نظر نہیں آتا بلکہ ہم ان کا مقابلہ تو کیا کرتے اب تک اپنی شناخت ہی دریافت نہیں کر سکے۔ ذہنی طور پر ہم ان کی تہذیب' ثقافت' ٹیکنالوجی سے اس قدر مرعوب ہیں کہ ہمارے ہاتھ پاؤں شل ہو چکے ہیں۔

اہل کتاب کی سب سے بڑی اور تازہ جارحیت باطنی طور پر شروع ہو چکی ہے اور ہم اس سے بے خبر ہیں۔ ان کی یہ جارحیت انتہائی موثر ہے اس لئے کہ اہل کتاب دشمن بن کر نہیں بلکہ دوست' محسن اور مسیحا بن کر سامنے آ رہے ہیں۔

ان کا تازہ ترین پروگرام MASS LITERACY کے پر فریب لبادہ میں سنور کر سامنے آیا ہے۔ اب تک اہل کتاب نے ہمارے کھاتے پیتے گھرانوں میں نقب لگائی تھی۔ ان گھرانوں کے بچوں کے لئے ایسے سکول کھولے جہاں ان شاہینوں کو زیر دام کیا گیا۔ ان بچوں کو اپنی ثقافت میں ایسا رنگا کہ انہیں اپنا دین فرسودہ نظر آنے لگا (نقل کفر کفر نہ باشد) اپنی تہذیب سے وہ شرمانے لگے۔ اس قسم کے سکولوں سے فارغ ہونے والے طلباء اور طالبات کی دو تین نسلیں پاکستان میں منظر پر آ چکی ہیں۔ اس ملک کی سیاست' تجارت' انتظامیہ انہی لوگوں کے ہاتھوں میں ہے اور اس کا جو نتیجہ نکلنا تھا وہ سب کے سامنے ہے۔

اہل کتاب نے مسلمانوں کو مسخر کرنے میں بے حد کامیابی حاصل کی ہے۔ اس نے تعلیم کے ذریعہ ہمارے ہونہار اور برسر اقتدار طبقہ کے ذہنوں کو اپنا غلام بنا لیا ہے اس غیر معمولی کامیابی نے انہیں مزید کامرانیوں پر اکسایا ہے۔ اب انہوں نے بڑی محنت سے MASS LITERACY کا جال بنا ہے۔ یہ نعرہ بڑا ہی پرکشش ہے۔ ایک ایسے معاشرہ میں جہاں ناخواندگی کی شرح 70 فیصد سے زائد ہو۔ MASS LITERACY کا خواب انتہائی پرکشش ہے لیکن اس پردہ کے پیچھے عزائم کچھ اور ہیں۔ ہمارے 70 فیصد غریب اور ان پڑھ عوام کو تعلیم کے نام پر خود فراموشی' خدا فراموشی کا درس دیا جائے گا' اس کے عوض اہل کتاب امت مسلمہ کو توحید' رسالت اور قیامت کی بازپرس سے غافل کریں گے' مادی خوش حالی کا شوق دلائیں گے' حلال و حرام کی کی رہی سہی تمیز ختم کریں گے' کمائی کے طریقے سکھائیں گے' پاپولیشن کنٹرول کے عذر پر جنسی بے راہ روی کی ترغیب دیں گے' نوجوانوں میں شادی کرنے کے رجحانات کی حوصلہ شکنی کریں گے' فحاشی اور عریانی کو فروغ دیں گے اور طبقاتی منافرت پھیلائیں گے۔

اہل کتاب یہ سارے کام بظاہر دوستی کے پردہ میں کریں گے لیکن مقصد ان کا یہی ہے کہ مسلم امت کو خدا سے غافل کریں اور اس کے دل سے آنحضرت ﷺ کی محبت نکال دیں کیونکہ ان کے عزائم میں ہمیشہ حب رسول ہی آڑے آتی ہے۔ جو کام سلمان رشدی نہ کر سکا مسلمانوں کو خواندہ بنانے کے نام پر یہ خود کر دکھائیں گے۔

اہل کتاب کی تازہ ترین سازش کسی وہم یا بدگمانی پر قائم نہیں بلکہ یہ ایک ٹھوس حقیقت ہے۔ اس سازش پر بہت عرصہ سے کام شروع کیا جا چکا ہے۔ بنگلہ دیش میں ایک ادارہ 1972ء میں قائم ہوا جس کا بے ضرر نام BRAC رکھا گیا یعنی BANGLADESH RURAL ADVANCEMENT COMMITTEE اس کمیٹی کو ورلڈ بینک' یونیسف' یونسکو جیسی عالمی تنظیموں کی سرپرستی حاصل ہے۔ اس کمیٹی کے بے شمار مقاصد ہیں۔ ظاہری مقاصد بہت اعلیٰ و ارفع ہیں۔ جیسے دیہاتوں سے غربت کا خاتمہ' شرح خواندگی میں اضافہ' افزائش صحت کے منصوبے' دستکاری کی تربیت' خواتین کی بہبود کا پروگرام' ریسرچ' تربیت وغیرہ وغیرہ

BRAC یعنی اس کمیٹی کا طریقہ کار یہ ہے کہ غریبوں کے مسائل کو سمجھے' انہیں حفظان صحت کی تعلیم دے' ان کا معیار زندگی بلند کرے۔ اس طرح BRAC مفلس لوگوں کے لئے مسیحا بن کر سامنے آئی ہے۔ یہ طریقہ کار تو BRAC کے لئے بطور ڈھال کے کام دے گا لیکن اس کا اصلی ہتھیار تعلیم و تربیت ہے۔ اس میدان میں ماڈرن تعلیم پرائمری درجہ کی حد تک غریب بچوں کو مفت ملے گی' کتابیں بھی مفت ہوں گی' طریقہ کار ایسا چمک دمک والا ہو گا کہ بڑے بڑے شہروں کے مہنگے سکول بھی اسے اپنانے میں شرم محسوس نہ کریں گے BRAC کو عالمی اداروں کا تعاون حاصل ہے۔ کیوں نہ ہو مسلمانوں کو زیر دام لانے کا

سنہری اور آسان موقع ہے۔

یہ کوئی خیالی باتیں نہیں BRAC نے اس سکیم پر عمل 1972ء سے شروع کیا۔ 1985ء میں 20 سکول تجرباتی طور پر کھولے گئے۔ پہلے 9۔ برسوں میں 20,000 سکول کھولے جا چکے تھے جبکہ 1995ء تک 50,000 سکول کھولنے کا ہدف مقرر کیا گیا ہے۔

BRAC سب سے زیادہ توجہ بچیوں پر دیتی ہے۔ خواتین پر یہ توجہ بڑی معنی خیز ہے۔ انہیں اگر شادی سے بیزار کر دیا جائے' آزاد روشی کی تعلیم دی جائے' موسیقی' ڈانس کا دلدادہ بنایا جائے (نصاب کو دلچسپ بنانے کے لئے موسیقی اور ڈانس نصاب میں شامل کئے گئے ہیں) تو اہل کتاب کا کام آسان ہو جاتا ہے۔

ذیل کا مضمون BRAC کی شائع کردہ رپورٹ سے لیا گیا ہے (چہ دلاور است دزدے کہ بکف چراغ دارد) ان کے اپنے الفاظ اور خیالات کی تلخیص پیش خدمت ہے۔ ہماری طرف سے اس میں کچھ کمی بیشی نہیں کی گئی۔ BRAC کی یہ رپورٹ کچھ پرانی ہے۔ 1993ء تک اس نے جو کامیابیاں حاصل کی ہیں اس میں ان کا ذکر ہے۔ 1995ء کے مکمل ہونے تک ان کی کامیابی حیران کن حیثیت اختیار کر چکی ہوگی۔

بنگلہ دیش میں BRAC کی جو بھاری بھرکم تنظیم موجود ہے۔ ملک بھر میں مفت تعلیم دینے کے لئے کروڑوں روپوں کی ضرورت ہر سال پڑے گی 1995ء تک BRAC نے پچاس ہزار سکول کھولنے کا ہدف بنایا تھا۔ پچاس ہزار ٹیچروں کی سالانہ تنخواہ 30۔ کروڑ بنتی ہے۔ کم از کم 10۔ کروڑ کتابوں' چارٹوں' AUDIO VISUALS,AIDS' ریڈیو برائے تعلیم اور بھاری بھرکم سٹاف کی لگا لیجئے۔ سالانہ خرچہ صرف 1995ء میں 40 کروڑ سے زیادہ ہوا اور یہ خرچہ ہر سال بڑھے گا۔ BRAC کی رپورٹ سے کہیں بھی پتہ نہیں چلتا کہ اتنا بڑا سرمایہ کہاں سے آتا ہے؟ یا سرمایہ کاری کا سالانہ روز افزوں بوجھ بغیر منافع کے کون اٹھا رہا ہے؟

BRAC کی بظاہر دوستانہ لیکن حقیقت میں پر خطر چالوں سے اہل پاکستان آگاہ نہیں۔ بنگلہ دیش میں البتہ کچھ رد عمل ہوا ہے جس کا ذکر اس رپورٹ میں بھی آیا ہے۔ ہم اس قسم کے رد عمل کی حوصلہ افزائی تو نہیں کرتے لیکن پاکستان کے اہل علم' اہل رائے' دانشور حضرات اور اہل مسجد کو پر زور دعوت فکر و عمل دیتے ہیں کہ اپنا نظام تعلیم درست کریں' اسے گاؤں گاؤں' قریہ قریہ پہنچائیں۔ ہمارے ملک میں یہ کام دوسرے کیوں کریں' ہم خود کیوں نہ کریں؟ کیا ہم اپنے عوام اور نئی نسل کو اپنے مسلمہ دشمنوں کے حوالہ کر دیں؟

اس ضمن میں اس شمارہ کا اداریہ بھی دیکھیں۔ جس میں اہل پاکستان بالخصوص عمران خان کو خبردار کیا گیا ہے کہ اہل کتاب کا اگلا نشانہ پاکستان بن رہا ہے۔ لہٰذا خبردار رہیں۔

(ادارہ)

BRAC کی سالانہ رپورٹ (1993ء) کا خلاصہ

بنیادی مفروضات

بنگلہ دیش میں شرح خواندگی

مردوں میں	-	44 فیصد
خواتین میں	-	23 فیصد
مجموعی طور پر	-	34 فیصد
پرائمری سکول میں داخل ہونے والے طلباء	=	کل آبادی کا 70 فیصد
پرائمری سکول سے کامیاب ہونے والے طلباء	=	کل آبادی کا 11 فیصد
شہری آبادی	=	کل آبادی کی 20 فیصد
دیہاتی آبادی	=	کل آبادی کی 80 فیصد

تعلیمی پروگرام (NFPE)

BRAC نے اپنا تعلیمی کام NFPE (NON-FORMAL PRIMARY EDUCATION) سکیم کے تحت 1985ء میں شروع کیا۔ اس تعلیمی تجربہ کا آغاز 20 دیہاتوں سے کیا گیا۔ اس تجربہ کو بڑی کامیابی حاصل ہوئی' دسمبر 1993ء تک تقریباً 20,000 سکول کھولے جا چکے تھے۔ 1995ء تک مزید 34,000 سکول کھولنے کا پروگرام ہے۔ اس طرح گیارہ برسوں میں 54,000 سکول کھلنے کا اندازہ ہے یعنی پہلے گیارہ برسوں میں نئے سکول قائم کرنے کی شرح اوسطاً 5,000 ہر سال بنتی ہے جو تقریباً 20 سکول یومیہ کے برابر ہے۔ یہ اوسط ہر سال تیز سے تیز تر ہو رہی۔ 1993ء میں ایک سال کے دوران 9,000 نئے سکول کھولے گئے یعنی 30 سکول یومیہ جیسی ناقابل یقین شرح ہے۔

مقاصد

سکیم کے مندرجہ ذیل مقاصد مقرر کئے گئے:۔

(الف) بنگلہ دیش میں شرح ناخواندگی کو کم کرنا بالخصوص غریب آبادی کو پرائمری تعلیم سے آراستہ کرنا۔

(باء) حکومت کے تعلیمی پروگرام کو تقویت پہنچانا۔

(تاء) بچیوں کی تعلیم پر خصوصی توجہ دینا۔

طریقہ کار

سکول میں ان بچوں کو داخل کیا جاتا ہے جنہوں نے کسی سکول میں کبھی بھی داخلہ نہ لیا ہو۔ سکول دو طرز کے ہیں۔ پہلی طرز کے سکولوں میں 8۔10 برس کے بچوں کو سکول میں داخل کیا جاتا ہے۔ جہاں تین برسوں میں انہیں مروجہ سکولوں کی کلاس دوم تا کلاس سوئم کی تعلیم دی جاتی ہے۔ اس طریقہ تعلیم کو (NFPE) کا نام دیا گیا ہے۔

دوسری قسم کے سکولوں میں بھی ان بچوں کو داخلہ ملتا ہے جو کبھی کسی سکول میں نہ گئے ہوں۔ البتہ یہ بچے ذرا بڑی عمر کے ہوتے ہیں یعنی 11۔14 برس کے بچے۔ ان بچوں کو تین برسوں میں مروجہ سکولوں کی پرائمری تعلیم دی جاتی ہے یعنی کلاس اول تا کلاس پنجم تین برسوں کی تعلیم کو پانچ حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ان سکولوں کو PEOC (RIMARY EDUCATION FOR OLDER CHILDREN) کا نام دیا گیا ہے۔ 1988ء میں قائم کئے گئے تھے۔ ان سکول سے فراغت پانے پر بچے مروجہ سکولوں میں اپنی تعلیم جاری رکھنے کے قابل ہو جاتے ہیں۔

فیس اور اخراجات

مندرجہ بالا دونوں طرز کے سکولوں میں بچوں سے فیس نہیں لی جاتی۔ کتابیں بھی مفت دی جاتی ہیں۔

سکولوں کا تعارف

طلباء کی تعداد

ہر سکول میں صرف ایک ہی کلاس ہوتی ہے اور ٹیچر بھی ایک ہی ہوتا ہے۔ ٹیچر عام طور پر خاتون ہی ہوتی ہے۔ اس سادہ سکول کو (ONE SCHOOL ONE ROOM ONE TEACHER) سکول کہا جا سکتا ہے۔ کلاس میں 33 طلباء اور طالبات ہوتی ہیں۔ داخلہ ہر تین سالوں کے بعد ہوتا ہے۔ جب ایک کلاس اپنی تعلیم تین برسوں میں مکمل کر لیتی ہے تو اسے فارغ کر دیا جاتا ہے۔ اس کے بعد

BRAC غیر مسلم ادارہ ہونے کے باوجود 40 کروڑ سے زیادہ ٹکے بنگلہ دیش کے مسلمانوں پر کیوں خرچ کر رہی ہے ـــــ؟

نئی کلاس کو داخلہ ملتا ہے - یہ عمل ہر تین سالوں کے بعد دہرایا جاتا ہے - تین برسوں تک طلباء ایک ہی ٹیچر سے پڑھتے رہنے کے سبب ٹیچر سے مانوس ہو جاتے ہیں - ٹیچر کو بھی یہ سہولت رہتی ہے کہ وہ بچوں کے مزاج مسائل 'دشواریوں سے آگاہ ہوتی ہے - اس طرح سکول میں خوشگوار ماحول قائم ہوتا ہے - تعلیم کے دوران میں کوئی امتحان نہیں لیا جاتا -

✪ قرب کی سہولت

ایسے سکول بچوں کے گھروں کے بالکل قریب ہونے کے باعث بہت مفید ہوتے ہیں بچوں کی آمدورفت میں آسانی ہے 'سیکورٹی کے مسائل پیدا نہیں ہوتے - یہی فوائد ٹیچر کو بھی میسر ہوتے ہیں - سکول کے اوقات کے بعد بھی حسب ضرورت ٹیچر بچوں کو ذاتی توجہ دے سکتی ہے -

✪ اوقات تعلیم میں لچک کی سہولت

سکول کے اوقات کار میں لچک رکھی گئی ہے - ہر سکول کو اختیار ہے کہ صبح اور شام جو وقت چاہیں مقرر کر لیں - یہ اس طرح جو بچے گھر کی کفالت کرتے ہیں انہیں گھریلو ضروریات کے لئے وقت مل جاتا ہے - موسم کی سختی سے نبٹنے کے لئے بھی اوقات تعلیم میں رد و بدل ممکن ہے جو مفید ثابت ہوتا ہے - اوقات کار ٹیچر والدین کے مشورہ سے طے کرتی ہے -

✪ ٹائم ٹیبل

سکول میں روزانہ تعلیم کے مندرجہ ذیل پیریڈ مقرر ہیں:

	منٹ
⬅ بنگالی زبان	30
⬅ املاء	20
⬅ ریاضی	35
⬅ ڈرائنگ	30
⬅ معاشرتی علوم	35
⬅ روزانہ تعلیم کا دورانیہ	150

اس کے علاوہ اسمبلی کے معمولات اور جسمانی ورزش بھی پروگرام میں شامل ہے - بچوں کی دلچسپی قائم رکھنے کے لئے تفریحی پروگراموں پر خصوصی توجہ دی جاتی ہے - ان پروگراموں میں موسیقی 'ڈانس 'قصہ گوئی شامل ہیں - تعلیم سارا سال جاری رہتی ہے - لمبے دورانیہ کی چھٹیاں نہیں ہوتیں - سال میں 270 دن سکول کھلتا ہے - روزانہ اڑھائی گھنٹے تعلیم دی جاتی ہے -

✪ نصاب تعلیم

نصاب تعلیم ایسا تیار کیا گیا ہے جو دیہاتی بچوں کے لئے موزوں ہو - بچوں کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے کہ وہ خوش دلی سے تعلیمی سرگرمیوں میں دلچسپی لیں بڑھ چڑھ کر اس میں شرکت کریں - نصاب تعلیم ایسا ہے کہ بچوں کو عملی طور پر زندگی گزارنے کے لئے راہنمائی ملے -

✪ والدین کی بھرپور شرکت

BRAC طریقہ تعلیم کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس میں والدین کو سکول کے معاملات میں بھرپور شرکت کرنے کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے - بلکہ گاؤں کی پوری آبادی کو ترغیب دی جاتی ہے کہ وہ سکول کے معاملات میں اجتماعی طور پر دلچسپی لے -

✪ طالبات پر خصوصی توجہ

BRAC طریقہ تعلیم میں بچیوں کی تعلیم اور تربیت پر زیادہ توجہ دی جاتی ہے داخلہ میں بچیوں کو ترجیح دی جاتی ہے - اس طرز کے سکولوں میں 70 فیصد داخلہ بچیوں کو دیا جاتا ہے - گویا 33 بچوں کی کلاس میں عام طور سے 23 بچیاں ہوتی ہیں اور صرف 10 بچے -

✪ سکول کی عمارت

سکول کی عمارت ایک کمرہ پر مشتمل ہوتی ہے - کمرہ کا سائز 320 مربع فٹ سے کم نہیں ہوتا یعنی اوسطاً 10 مربع فٹ فی طالب علم - کمرہ کی دیواریں مٹی کے گارے کی بنائی جاتی ہیں - بعض جگہ بانس بھی استعمال ہوتا ہے - چھت گھاس پھوس سے بنائی جاتی ہے - ٹین کی چھت والے کمرے بھی موجود ہیں - عام طور سے سکول اس قسم کے کمرے کرایہ پر حاصل کرتا ہے - البتہ تعمیر BRAC کے ڈیزائن کے مطابق مکمل کی جاتی ہے - کرایہ واجبی ہوتا ہے - ان سکولوں کے اپنے بیت الخلاء نہیں ہوتے 'نہ پانی کا بندوبست ہوتا ہے - البتہ یہ سکول ایسی جگہ پر بنائے جاتے ہیں جہاں ایسی بنیادی سہولتیں موجود ہوں -

اساتذہ کی تربیت کا پروگرام

✪ اساتذہ کی بھرتی

سکول کے لئے اساتذہ اسی بستی سے ہی بھرتی کئے جاتے ہیں جس بستی میں سکول واقع ہو - کم سے کم تعلیمی معیار یہی ہے کہ اساتذہ نے 9 برس کی تعلیم حاصل کی ہو - خواتین ٹیچرز کو ترجیح دی جاتی ہے - انکا شادی شدہ ہونا لازمی شرط ہے - اس وقت تقریباً 92 فیصد ٹیچرز خواتین ہیں - 1993ء میں ٹیچرز کی کل تعداد تقریباً 19,000 تھی جس میں سے خواتین ٹیچرز کی تعداد 17,600 تھی -

اساتذہ کو بھرتی کرنے کے بعد 12 - دنوں کی بنیادی تربیت BRAC کے تربیتی مرکز TARC یعنی (TRAINING AND RESOURCE CENTRE) میں دی جاتی ہے - اس کے بعد ٹیچرز کو ہر ماہ FIELD OFFICES میں تربیت کے لئے طلب کیا جاتا ہے -

ٹیچرز کو اوسطاً 500 ٹکے کی ماہوار تنخواہ دی جاتی ہے - BRAC کے تمام سکولوں کا نظام ایک سا ہی ہے یعنی ایک سکول 'ایک ٹیچر اور تین برسوں کے لئے ایک ہی کلاس 33 طلباء کی - یہ طلباء نادار گھرانوں سے تعلق رکھتے ہیں - یہ وہ بچے ہیں جو غربت کے باعث سکولوں میں جانے کا تصور بھی نہیں کر سکتے -

✪ ٹیچرز ٹریننگ

اساتذہ کو تربیت باقاعدہ دی جاتی ہے - یہ تربیت کوئی طویل دورانیہ کے کورس کی شکل میں نہیں دی جاتی بلکہ تھوڑے تھوڑے عرصہ کے لئے اور وقفہ وقفہ سے تعلیمی سیشن کے ساتھ ساتھ دی جاتی ہے - یہ تربیتی پروگرام بامقصد بنائے جاتے ہیں تاکہ ٹیچرز میں عملی صلاحیت پیدا ہو -

✪ 12 روزہ تربیتی کورس

ٹیچرز کو بھرتی کرنے کے فوراً بعد 12 - روزہ تربیتی کورس کرنا پڑتا ہے - اس کورس

میں ٹیچرز کو فلسفہ تعلیم سے آگاہ کیا جاتا ہے اور معلم کی عملی تربیت دی جاتی ہے۔ پانچ دن بنیادی تصور تعلیم اجاگر کرنے کے لئے مخصوص ہیں جب کہ بقیہ سات دنوں میں ٹیچرز کو عملی تربیت دی جاتی ہے کہ کس طرح وہ ہر سبق کی منصوبہ بندی کریں گے اور عملی طور پر لیکچر دیں گے۔ مثلاً:

- ٹیچرز کو سمجھایا جاتا ہے کہ وہ کسی طرح بچوں کی کتب 'کاپیوں NOTES' چارٹس' TEACHING AIDS' تصاویر والے کارڈوں اور COUNTING STICKS سے استفادہ کرسکتے ہیں۔
- ذہین طلباء کو کس طرح تربیت دی جائے کہ وہ کمزور طلباء کی تعلیمی امداد کریں۔
- بچوں کو جسمانی سزا نہ دی جائے بلکہ ڈسپلن قائم کرنے کے لئے دوسرے انتظامی طریقے اپنائے جائیں۔
- طریقہ تعلیم ایسا اپنایا جائے کہ بچے رٹہ نہ لگائیں بلکہ سبق کو صحیح طور پر سمجھ سکیں۔

ٹیچرز کی تربیتی کلاس 20 یا 25 افراد پر مشتمل ہوتی ہے۔ ٹیچرز کو ترغیب دی جاتی ہے کہ نصاب کے علاوہ معروضی مسائل پر گفتگو کریں اور خود ہی ان کا حل تلاش کریں۔ اس طرح تربیت گھسے پٹے انداز میں نہیں ہوتی بلکہ جاندار بنیادوں پر استوار ہوتی ہے۔

سہ روزہ تربیت

جب نئے ٹیچرز بھرتی ہوتے ہیں انہیں 12۔ روزہ تربیتی کورس کے فوراً بعد سکول کھلنے سے پہلے سہ روزہ تربیت دی جاتی ہے۔ اس مختصر پروگرام میں انہیں اس بات کی تربیت دی جاتی ہے کہ بچوں کو کس طرح سکول میں داخلہ کے لئے تیار کرنا ہے۔

ریفریشر کورسز (REFRESHER COURSES)

مندرجہ بالا بنیادی 12۔ روزہ اور سہ روزہ تربیتی کورس کے علاوہ پوری مدت تعلیم میں اساتذہ کو درج ذیل ریفریشر کورسز کرائے جاتے ہیں۔

1)۔ 2 روزہ ریفریشر کورس۔ اس میں پہلے سال کی تعلیم سے متعلق تربیت دی جاتی ہے۔

2)۔ 4 روزہ ریفریشر کورس۔ پہلے سال کی تعلیم کے اختتام پر یہ کورس کرایا جاتا ہے۔

3)۔ 3 روزہ ریفریشر کورس۔ دوسرے سال کی تعلیم کے اختتام پر کرایا جاتا ہے۔

4)۔ ایک روزہ ریفریشر کورس۔ یہ ہر ماہ کرایا جاتا ہے جس میں کلاس کے مسائل پر تبادلہ خیال ہوتا ہے۔ اس کورس کی خصوصیت یہ ہے کہ ہر سال کے ٹیچرز کا اجتماع علیحدہ گروپوں کی صورت میں ہوتا ہے یعنی پہلے سال کی تعلیم دینے والے ایک گروپ کی شکل میں اکٹھے ہوتے ہیں۔ دوسرے سال کے ٹیچرز علیحدہ مشاورت کرتے ہیں و علیٰ ہذا القیاس

5)۔ 12 روزہ خصوصی ریفریشر کورس۔ اس کورس میں تیسری کلاس کی تعلیم مکمل کرنے پر ان ٹیچرز کو انگلش اور ریاضی کی تعلیم کے بارے میں تربیت دی جاتی ہے تاکہ چوتھی اور پانچویں کلاس کے نصاب کے لئے ٹیچرز کو تیار کیا جائے۔

ٹیچرز کی کارگزاری کا معیار جانچنے کے لئے ایک نظام وضع کیا گیا ہے اور اس کا مکمل ریکارڈ رکھا جاتا ہے۔

نصاب اور طریقہ تعلیم

نصاب تو پرائمری تعلیم کے مطابق تیار کیا جاتا ہے۔ البتہ اس بات کا خاص خیال رکھا جاتا ہے کہ طلباء میں عملی کام کرنے کی صلاحیت پیدا ہو۔ مندرجہ ذیل مقاصد حاصل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

(الف) لکھنے پڑھنے کی صلاحیت
(باء) گنتی
(تاء) سماجی سوجھ بوجھ

مندرجہ ذیل چار مضامین پر توجہ دی جاتی ہے۔

(الف) بنگالی زبان
(باء) انگلش
(تاء) ریاضی
(ثاء) معاشرتی علوم

مندرجہ بالا مضامین کے علاوہ چوتھے اور پانچویں درجہ میں "صحت" کا مضمون خصوصی اہمیت کا حامل ہے۔ انگلش دوسرے سال کے دوسرے نصف سے شروع کی جاتی ہے۔ BRAC بچوں کا ایک رسالہ بھی شائع کرتی ہے جو تمام سکولوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

BRAC کا نصاب اس طرح تیار کیا جاتا ہے کہ جو بچے سرکاری سکولوں میں اپنی تعلیم جاری رکھنا چاہیں انہیں کوئی دشواری نہ ہو۔

ٹیچر روز مرہ کا لیکچر پیشگی تیار کرتے ہیں۔ ٹیچرز کو تیاری کے لئے مناسب تحریری ہدایات مہیا کی جاتی ہیں۔

طریقہ تعلیم ایسا ہے کہ بچے اپنی تعلیم میں ذوق و شوق سے شریک ہوتے ہیں۔ وہ کلاس میں مٹی کے مادھو بن کر نہیں بیٹھتے بلکہ دلچسپی لیتے ہیں۔ ٹیچرز بھی اس بات کی تسلی کرتے ہیں کہ بچوں کو معلومات ذہن نشین ہو رہی ہیں۔ علم ان کے سروں میں ٹھونسا نہیں جاتا بلکہ ایسا طریقہ اختیار کیا جاتا ہے کہ بچے از خود مسائل پر غور کرنا سیکھیں اور اپنے اشکال رفع کریں۔

بچے کی ذہنی نشوونما کے لئے غیر تعلیمی سرگرمیوں کی طرف بھرپور توجہ دی جاتی ہے۔ ان سرگرمیوں میں ورزش' گانا' ڈانس کرنا' ڈرائنگ' ہنڈی کرافٹ اور کھیلیں شامل ہیں۔ اس کے علاوہ کتاب سے پڑھ کر سنانا بھی ان سرگرمیوں میں شامل ہے۔ بچے ان سرگرمیوں کو بے حد پسند کرتے ہیں اور اسی کے باعث سکول میں حاضری کی سطح اچھی رہتی ہے۔

BRAC کے سکولوں میں باضابطہ امتحان کا نظام نہیں۔ البتہ بچوں کی تعلیمی صلاحیت کو جانچنے کے لئے بہرحال ایک نظام موجود ہے۔ ہفتہ وار اور ماہانہ ٹیسٹ لئے جاتے ہیں۔ بچوں کی کارکردگی ریکارڈ کی جاتی ہے۔ ان کی کمزوریوں کو دور کرنے کی باقاعدہ کوشش ہوتی ہے۔

عام طور پر بچوں کو ہوم ورک نہیں دیا جاتا۔ کبھی کبھار دے بھی دیا گیا تو یہ کام ایسا ہوتا ہے جسے بچے از خود کر سکیں۔ انہیں والدین سے مدد لینے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ طویل دورانیہ کی تعطیلات تعلیم میں تعطل پیدا کرتی ہیں۔ اس لئے BRAC سکولوں میں سارا سال پڑھائی جاری رہتی ہے۔ بس دس دنوں کی چھٹی سال بھر میں ہوتی ہے۔

سکول کھولنے کا طریقہ

BRAC کا یہ نصب العین ہے کہ ملک بھر میں BRAC طرز کے سکولوں کا جال بچھا دیا جائے۔ نئے سکول کھولنے کے لئے ان گاؤں کا انتخاب کیا جاتا ہے جہاں والدین اپنے بچوں کو تعلیم دینے کے خواہش مند ہوں' ٹیچر مل سکے اور دوسرے گاؤں قریب ہوں۔

اس مقصد کے لئے سب سے پہلے تو اس علاقہ کا سروے کیا جاتا ہے۔ مقامی آبادی میں

سکول کی ضرورت کا احساس اجاگر کیا جاتا ہے۔ تعلیم یافتہ طبقہ 'اہل رائے حضرات 'غریب باشندے 'سیاسی اور مذہبی راہنماؤں سے رابطہ رکھا جاتا ہے۔ اگر سکول کھولنے کے لئے حالات سازگار ہوں تو اس علاقہ میں ایک دفتر قائم کیا جاتا ہے۔ داخل ہونے والے امیدوار طلباء وطالبات کی فہرست تیار کی جاتی ہے۔ مقامی سکولوں سے اس بات کی تصدیق کرلی جاتی ہے کہ یہ بچے دوسرے سکو[illegible] میں داخل نہیں ہیں۔ ہر سکول میں 33 بچے لئے جاتے ہیں۔ بچوں کی تعداد کسی علاقہ میں زیادہ ہو تو تعداد کے مطابق سکول کھولے جاتے ہیں۔ سرکاری سکولوں سے BRAC مقابلہ نہیں کرتی بلکہ ان سے معاونت کی پالیسی پر گامزن ہے۔

✪ والدین اور مقامی آبادی کا تعاون

BRAC سکول کسی آبادی پر ٹھونسا نہیں جاتا البتہ مقامی آبادی کا بھرپور تعاون حاصل کیا جاتا ہے۔ سکول کھولا ہی اس وقت جاتا ہے جب والدین خواہش مند ہوں اور تعاون کا یقین دلائیں۔ والدین کو عملی تعاون بھی کرنا پڑتا ہے تاکہ سکول کی عمارت آسان شرائط پر مل جائے۔ ٹیچر بھرتی کیا جائے وغیرہ وغیرہ۔

سکول کے روزمرہ کے معاملات ایک کمیٹی کے ذمہ ہوتے ہیں۔ اس کمیٹی میں تین والدین شامل کئے جاتے ہیں' ایک سماجی کارکن اور ٹیچر یہ سب ملکر پانچ ممبران کمیٹی سکول کے مفادات کی نگرانی کرتے ہیں' اوقات تعلیم مقرر کرتے ہیں اور بچوں کی حاضری پر نظر رکھتے ہیں۔ والدین کے ساتھ ہر ماہ نشست منعقد ہوتی ہے۔ تقریباً 80 ۔ فیصد والدین ان اجلاسوں میں حاضر ہوتے ہیں۔ بالعموم بچہ کی والدہ ہی شریک اجلاس ہوتی ہے۔

RESEARH AND EVALUATION

(تحقیق اور تجزیہ)

تحقیق کے لئے ایک مکمل شعبہ موجود ہے۔ یہ شعبہ نوخیز لڑکیوں پر بھرپور توجہ دیتا ہے۔ ان بچیوں کی عمر 12 برس سے لیکر 19 برس تک ہوتی ہے۔ BRAC کی خواتین ٹیم نے ایک ماہ کی محنت سے ایسی بچیوں سے ملاقات کے بعد ایک رپورٹ تیار کی۔ ان بچیوں سے یہ پوچھا گیا تھا کہ وہ شادی کے بارے میں کیا نظریہ رکھتی ہیں۔ بے شمار بچیوں نے آزاد زندگی گزارنے کی تمنا کا اظہار کیا۔ بہت سی لڑکیوں کی خواہش یہ تھی کہ وہ کہیں کام کر سکیں اور اپنی روزی کمائیں۔

تحقیق کا شعبہ جو رپورٹیں تیار کرتا ہے ان کی روشنی میں BRAC کے تعلیمی پروگرام میں ردوبدل کرکے بہتری پیدا کی جاتی ہے۔

تعلیمی مواد کی فراہمی

بچوں کو تمام تعلیمی مواد بالکل مفت فراہم کیا جاتا ہے۔ اس تعلیمی مواد میں مندرجہ ذیل اشیاء شامل ہیں:

- ✪ کتب
- ✪ چارٹ
- ✪ ماڈرن تعلیمی ذرائع تعلیم

BRAC ہر وقت اس بات کے لئے کوشاں رہتی ہے کہ تعلیمی مواد موزوں ہو 'ماڈرن ہو اور مفید ہو۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے ایک مکمل شعبہ قائم کیا گیا ہے جس کا نام ہے۔ (MATERIAL DEVELOPMENT UNIT (MDU اس شعبہ کے ذمہ یہ ڈیوٹی ہے کہ تعلیمی مواد میں تبدیلیاں کرتا رہے۔ اس کے ذمہ یہ کام بھی ہے کہ ملک بھر میں تمام سکولوں کو ان کی ضرورت کے مطابق مواد مہیا کرے۔ کچھ اشیاء تو بازار سے خریدی جاتی ہیں مثلاً سلیٹ 'سلیٹی وغیرہ جبکہ پرنٹنگ کا کام BRAC کے پرنٹنگ پریس میں کیا جاتا ہے۔

آڈٹ اور اکاؤنٹ

اس محکمہ کے ذریعہ سکولوں کے اخراجات پر نظر رکھی جاتی ہے۔ اس محکمہ کے ذمہ یہ کام بھی ہے کہ مختلف شعبوں میں جاری پروگراموں کے لئے روپیہ پیسہ بروقت مہیا کرے۔

MANAGEMENT INFORMATION SYSTEM (MIS)

(شعبہ معلومات)

BRAC کے ہیڈ آفس میں شعبہ معلومات کے لئے ایک خصوصی مرکز قائم کیا گیا ہے یہ گویا BRAC کا دل ودماغ ہے۔ یہ شعبہ جو معلومات مہیا کرتا ہے اس کی روشنی میں اہم فیصلے کئے جاتے ہیں۔ اس شعبہ کی نگرانی ایک ماہر تعلیم کے ذمہ ہے۔

شعبہ معلومات کو FIELD OFFICES رپورٹیں بھیجتے ہیں۔ ان رپورٹوں کے مطابق سال بھر کا پروگرام پیشگی تیار کیا جاتا ہے۔ اس پروگرام کے تحت مختلف علاقوں میں نئے سکول کھولے جاتے ہیں۔ ٹیچرز کی تربیت کا بندوبست کیا جاتا ہے جس کی ذمہ داری (TRAINING AND RESOURCE CENTER (TARC پر عائد ہوتی ہے۔

FIELD OFFICE کی یہ ڈیوٹی بھی ہے کہ ہر شاگرد کا پتہ ہیڈ آفس میں بھیجے اور شاگردوں کے ذاتی کوائف بھی ارسال کرے۔ ہیڈ آفس کو یہ بھی بتایا جاتا ہے کہ کسی سکول میں لڑکوں اور لڑکیوں کا تناسب کیا ہے۔ اگر مقررکردہ تناسب (یعنی 70 فیصد لڑکیاں' 30 فیصد لڑکوں) میں فرق پڑ جائے تو اس کی نشاندہی بھی کی جاتی ہے۔

فارن سروس

BRAC کے ماہرین ہر پروگرام کو کارآمد بنانے کے لئے سرگرم عمل رہتے ہیں۔ غیر ملکی ماہرین بھی بنگلہ دیش دوروں پر آتے ہیں اور مفید مشورے دیتے ہیں۔ 1993ء میں BRAC نے غیر ملکی ماہرین کو اس کام پر مقرر کیا کہ وہ تعلیمی طور طریقوں میں جدت پیدا کرنے کے لئے سکیم تیار کریں۔ بالخصوص 1994ء میں تجربہ کے طور پر ریڈیو کے ذریعہ شروع کئے جانے والا طریقہ تعلیم شامل تھا۔

MONITORING AND EVALUATION

(کارگزاری کا جائزہ)

تعلیمی سرگرمیوں میں وسعت اور گہرائی پیدا کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ ایک ایسا شعبہ قائم کیا جائے جو سکولوں کی کارگزاری کا جائزہ لیتا رہے۔ اس شعبہ میں 17 MONITORS یعنی مبصر کام کا جائزہ لینے کے لئے مقرر کئے گئے ہیں۔ ان ممبروں کو خصوصی تربیت دی جاتی ہے۔ MIS کے شعبہ کی نسبت یہ شعبہ یعنی MONITORING کا شعبہ زیادہ اہم ہے۔ BRAC کے اعلیٰ ترین عہدیداروں کے ساتھ مشاورت ہمیشہ جاری رہتی ہے جس کے نتیجہ میں ماہانہ 'سہ ماہی اور سالانہ پلان برائے عمل تیار کئے جاتے ہیں۔ اس محکمہ کے ذریعہ بنگلہ دیش کی آبادی کی ضروریات کا تفصیلی گوشوارہ تیار کیا جاتا ہے۔ مثلاً درج ذیل امور کے بارے میں مکمل ریکارڈ تیار کیا جاتا ہے:

- ○ والدین کی شناخت (نام' پتہ' پیشہ' آمدنی وغیرہ)
- ○ بچوں کے سکول چھوڑنے کی وجہ۔

- ٹیچرز کے سکول چھوڑنے کی وجہ۔
- بچوں کی سکول میں غیر حاضری کی شرح۔
- والدین کی PARENTS MEETING میں شرکت کی شرح۔
- ٹیچرز کا ہوم ورک چیک کرنا۔
- تعلیمی مواد کا سکولوں میں بروقت نہ پہنچنے کا سبب وغیرہ وغیرہ۔

نئے تجرباتی پروگرام

BRAC اپنے پروگراموں میں حسب ضرورت وسعت دیتی رہتی ہے تاکہ زیادہ سے زیادہ افادیت کا معیار قائم ہو۔ مثلاً۔

کشوری پٹھاگر

یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ کشوری (نوخیز لڑکیاں) تین برس کی تعلیم مکمل کرنے پر بیاہی جاتی ہیں۔ اس طرح ان کی مزید تعلیم کا سلسلہ رک جاتا ہے بلکہ حاصل کردہ تعلیم بھی ضائع ہو جاتی ہے۔ اس نقصان کا سدباب کرنے کے لئے ان دوشیزاؤں کے لئے لائبریریاں (پٹھاگر) کھولنے کا تجربہ کیا گیا ہے۔ ان لائبریریوں میں صرف خواتین کو ممبر بننے کی سہولت ہے۔ ہر مہینہ دو روپیہ فیس لی جاتی ہے۔ خواتین کو کتب عاریتاً لینے کی سہولت میسر ہے۔ دو روپیہ کی فیس سے لائبریری کے لئے تفریح کا سامان خریدا جاتا ہے یا سبزیاں اگانے کے لئے بیج خریدے جاتے ہیں۔

ان لائبریریوں کو قائم کرنے کا تجربہ کامیاب رہا۔ دسمبر 1993ء تک 1025 ایسی لائبریریاں قائم کی گئیں۔

بہبود خواتین کے سکول

BRAC کے ایک شعبہ یعنی (WHDP) WOMEN'S HEALTH AND DEVELOPMENT PROGRAMME کے تحت خواتین کی بہبود کے لئے خصوصی سکول کھولے گئے ہیں۔ ان سکولوں میں 11 برس سے لیکر 16 برس تک کی نوخیز لڑکیاں داخل ہوتی ہیں۔ ٹیچر بھی خاتون ہوتی ہے۔ ان سکولوں کا نصاب تو BRAC کے دیگر سکولوں کی طرح ہی ہوتا ہے لیکن خصوصی توجہ امور صحت پر دی جاتی ہے۔ اس مقصد کے لئے خصوصی کتب تیار کی گئی ہیں۔ صحت پر بنی کتب کلاس دوئم سے شامل نصاب ہوتی ہیں اور صحت افزا ترکیبوں پر عمل کلاس روم میں اور OUTDOOR کرایا جاتا ہے۔

اس قسم کے 1362 سکول 1993ء تک قائم ہو چکے تھے۔ خواتین کی بہبود کے لئے خصوصی فنڈ کا اہتمام BRAC نے کیا ہے۔ ان سکولوں کو سرمایہ اسی خصوصی فنڈ سے ملتا ہے۔

ریڈیو بطور ذریعہ تعلیم

دوسرے ممالک کے تجربہ سے یہ بات واضح ہے کہ ریڈیو کو بطور موثر ذریعہ تعلیم اپنایا جاسکتا ہے۔ بالخصوص زبانوں کی تعلیم اور ریاضی سکھانے کے لئے ریڈیو کی افادیت مسلم ہے۔ اسی طریقہ تعلیم کو (IRI) یعنی INTERACTIVE RADIO INSTRUCTION کہتے ہیں۔ جولائی 1994ء سے اس طریقہ تعلیم کا تجربہ بھی کیا جائے گا۔

سمعی بصری مواد

BRAC نے 1992ء میں سمعی بصری آلات کا ایک مرکز قائم کیا AUDIO VISUAL AID یہ مرکز سمعی بصری مواد تیار کر رہا ہے۔ اس ماڈرن طریقہ تعلیم کے تحت طلباء، طالبات کے علاوہ ٹیچرز کی بھی بامقصد تربیت ہوگی۔ 1993ء تک اس شعبہ نے اہم تحقیقاتی مواد تیار کر لیا تھا۔

حفظان صحت کی ترغیب اور تربیت

بنگلہ دیش میں غربت کے باعث متوازن غذائیت لوگوں کی صحت پر مضر اثرات ڈالتی ہے۔ غربت کے علاوہ تعلیم کی کمی کے باعث صورت حال تشویشناک ہو گئی ہے۔ BRAC نے غذائیت کی تعلیم کو نصاب کا حصہ بنا دیا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ بچوں کے ذریعہ ان کے والدین کو بھی متوازن غذا استعمال کرنے کی ترغیب دی جائے۔

چنانچہ ٹیچرز بچوں کو بتاتے ہیں کہ گہرے رنگ کے پتوں والی سبزیاں بچوں کے لئے مفید ہیں۔ اسی طرح زرد اور نارنجی رنگوں کی سبزیاں بچہ کو چھ ماہ کی عمر سے دی جانی چاہئیں۔ BRAC سکولوں میں بچوں کو باغبانی کی تربیت دی جاتی ہے۔ سال میں دو مرتبہ بیج بھی فراہم کئے جاتے ہیں تاکہ وہ ایسی سبزیاں خود اگائیں جن میں وٹامن A موجود ہوتا ہے اور فولاد وافر تعداد میں شامل ہو۔ فنی مشاورت بھی مہیا کی جاتی ہے تاکہ بچے اپنے گھروں میں یا سکول میں ہی سبزیاں اگائیں۔

BRAC سکولوں کا ادارہ ہے کہ بچوں کو پیٹ میں کیڑے مارنے کی گولیاں سال میں دو مرتبہ دی جائیں اور نوخیز لڑکیوں کو فولاد کی گولیاں اور FOLIC ACID مہیا کیا جائے۔ حفظان صحت کے پروگرام کا مقصد یہ ہے کہ بچوں اور ان کی فیملی کو وافر مقدار میں وٹامن A اور فولاد کی ادویات فراہم کی جائیں۔

وظیفہ

BRAC نے 1993ء میں یہ پروگرام بنایا کہ صرف بچیوں کو پرائمری تعلیم کے بعد ہائی سکول میں تعلیم جاری رکھنے کے لئے وظائف دیئے جائیں۔ یہ پروگرام مندرجہ ذیل فنڈ کے ذریعہ جاری کیا جائے گا۔

1. CATHERINE LOVELL MEMORIAL FUND
2. PETER THOMPSON MEMORIAL FUND

وظیفہ کی مقدار 60 ٹکہ فی ماہ ہے۔ پروگرام کے تحت 250 لڑکیوں کو ابتداء میں وظائف دیئے جائیں گے۔ 1993ء میں 135 ایسی لڑکیوں کا انتخاب کر لیا گیا جو اس وظیفہ کی مستحق بنتی تھیں۔

غیر ملکی تعاون

BRAC نے نادار طلباء کو تعلیم دینے کے لئے خصوصی طریقہ تعلیم تیار کرنے پر محنت کی ہے۔ اس طریقہ تعلیم کو کامیاب بنانے کے لئے تعلیمی مواد تیار کرنا ہوتا ہے، تعلیم دینے کی صلاحیت پیدا کرنا ہوتی ہے۔

اس مقصد کے حصول کے لئے BRAC ہر حلقہ سے تعاون حاصل کرنے کی خواہاں ہے۔ مقامی طور پر بھی BRAC کو اس سلسلہ میں تعاون حاصل ہے۔ غیر ملکی اداروں سے بھی رابطہ موجود ہے۔ BRAC نے 1993ء میں 6 سیمینار تعلیم کے فروغ کے لئے منعقد کئے۔ ان میں 70 نمائندوں نے شرکت کی۔ یہ نمائندے مندرجہ ذیل ممالک سے تعلق رکھتے تھے۔ بھارت، پاکستان، نیپال، چین، مشرقی اور افریقی ممالک۔ ان سیمینارز کے انعقاد میں مندرجہ ذیل اداروں نے تعاون کیا۔

1. آغاخان فاؤنڈیشن

2 یونیسف UNICEF

3 یونیسکو UNESCO

سیمینار میں شرکت کرنے والے ممالک کی تفصیل حسب ذیل ہے:-

نام ممالک	تعداد مندوبین	سیمینار کی مدت (ہفتے)
پاکستان اور بھارت	12	2
نائجیریا	13	2
ایران	7	1
چین اور نیپال	10	2
مشرقی اور جنوبی افریقہ کے ممالک	19	1
چین	7	1

انتظامیہ

BRAC کی انتظامیہ میں بہت سے شعبے ہیں۔ اس کی وسعت اور گہرائی کا اندازہ صرف اس کے شعبہ تعلیم سے لگایا جاسکتا ہے۔ اس شعبہ کی بھاری بھرکم انتظامیہ کے لئے ہیڈ آفس میں مدیر اعلیٰ کے علاوہ 4 ڈائریکٹر اور بے شمار مینجر ہیں۔ اسکے علاوہ اضلاع میں لاتعداد فیلڈ آفیسر، ایریا مینجر، ریجنل مینجر مقرر ہیں۔ مختلف شعبوں میں سے اہم شعبوں کا ذکر اوپر ذکر کیا گیا ہے۔ انتظامیہ کا ORGANISATION CHART حسب ذیل ہے:-

MANAGEMENT AND SUPERVISION

NFPE Organogram

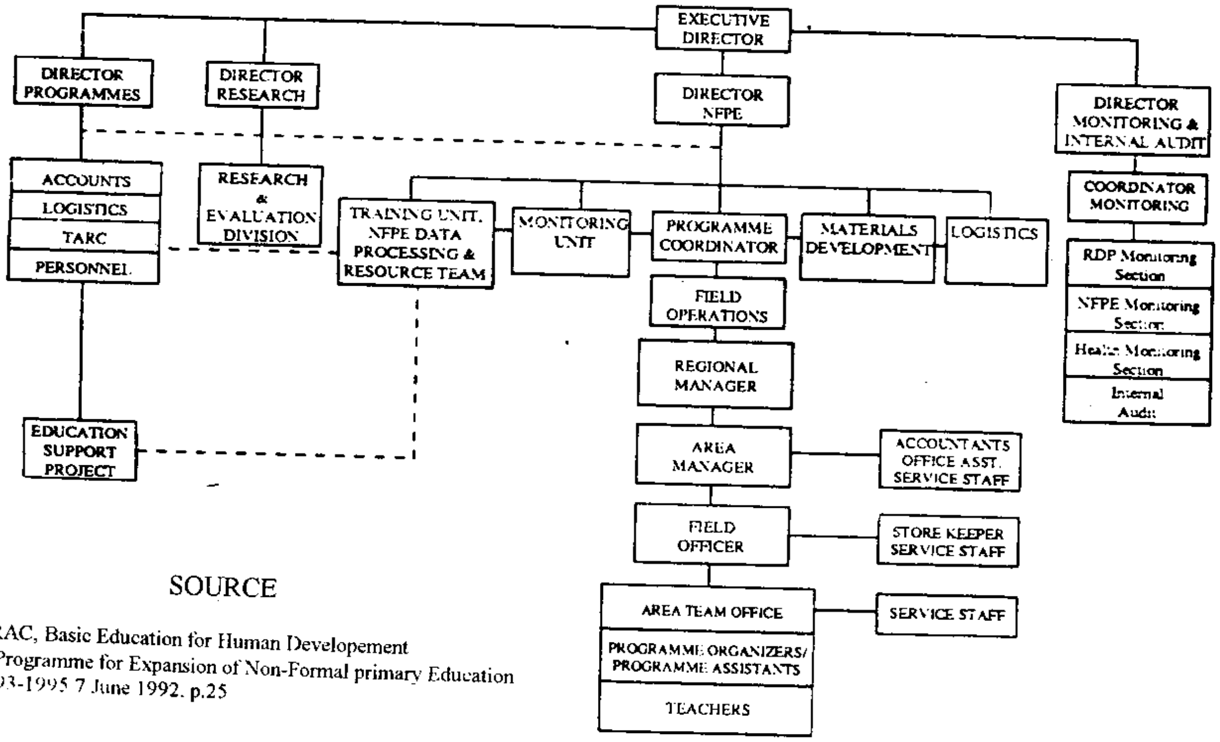

SOURCE

BRAC, Basic Education for Human Developement
A Programme for Expansion of Non-Formal primary Education
1993-1995 7 June 1992. p.25

فنڈامنٹالسٹ عناصر کی طرف سے مخالفت

BRAC کو متعصب عناصر کی جانب سے غیر متوقع مخالفت کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ چند اضلاع میں BRAC کے خلاف یہ غلط پراپیگنڈہ کیا گیا کہ BRAC کا پروگرام اسلام منافی تعلیمات پر مشتمل ہے اور یہ کہ BRAC بنگلہ دیش کے مسلمانوں پر غیر ملکی تہذیب اور ثقافت مسلط کرنا چاہتی ہے۔

BRAC کے مخالف عناصر وہ ہیں جو اپنی ذاتی اغراض کی خاطر یہ بات پسند نہیں کرتے کہ غریب لوگوں کے گاؤں میں کسی قسم کی ترقی آئے۔ ان لوگوں نے BRAC کے خلاف، ٹیچرز کے خلاف اور ان والدین کے خلاف جو اپنی اولاد کو تعلیم کے لئے بھیجتے ہیں محاذ آرائی قائم کی۔ اس مہم کے نتیجہ میں 50 سکولوں کو جلا دیا گیا۔ دوسرے علاقوں میں 50 سکولوں کو عارضی طور پر معطل کیا گیا۔ مندرجہ ذیل علاقوں میں مجموعی طور پر ایک ہزار سکول متاثر ہوئے ہیں:-

چٹاگانگ، کاکس بازار، کومیلا، حبیب گنج، سلہٹ، جیسور، کشتیا، باریسال، بھولا، فرید پور، کشور گنج، میمن سنگھ، بوگرا۔

اس ناسازگار پراپیگنڈہ کے باعث طلباء کی سکولوں میں حاضری بری طرح متاثر ہوئی۔ BRAC کے دیگر پروگراموں کو بھی زک اٹھانا پڑی۔ BRAC کے خلاف یہ مہم درست نہیں کیونکہ BRAC اسلامی اقدار کی حامی ہے۔ بنگلہ دیش واضح طور پر مسلم اکثریت والا ملک ہے۔ BRAC کے نصاب میں اسلامی تہذیب کی جھلک موجود ہے۔
BRAC نے تمام تر اشتعال انگیزی کے باوجود صبر و تحمل کا مظاہرہ کیا ہے اور مقامی انتظامیہ سے تحفظ طلب کیا ہے اور بنگلہ دیش کے ان لوگوں کا تعاون حاصل کرنے کی کوشش کی ہے جو اس ملک میں ترقی کے خواہش مند ہیں۔ امید کی جاتی ہے کہ BRAC ان عارضی دشواریوں کے باوجود ترقی کی راہ پر گامزن رہے گی۔

حرف آخر

BRAC طریقہ تعلیم دن دوگنی رات چوگنی ترقی کر رہا ہے۔ جس تیز رفتاری سے نئے سکول کھولے جا رہے ہیں اس کی شرح حیرت انگیز ہے۔ مثلاً

1985-88ء	چار برسوں میں سکول کھلنے کی تعداد	1,000 تقریباً
1989-92ء	چار برسوں میں سکول کھلنے کی تعداد	10,000 تقریباً
1993ء	صرف ایک برس میں سکول کھلنے کی تعداد	9,000 تقریباً
	9 برسوں میں کل سکول کھلنے کی تعداد	20,000

BRAC طریقہ تعلیم کا جال پورے ملک میں بچھایا جا رہا ہے۔ 1993ء تک مندرجہ اضلاع میں نئے سکولوں کی تعداد حسب ذیل رہی:

رنگ پور	5,495	کومیلا	3,801
میمن سنگھ	4,248	مانک گنج	2,618
جیسور	3,810	ڈھاکہ (شہری علاقہ)	42
کل تعداد	20,014		

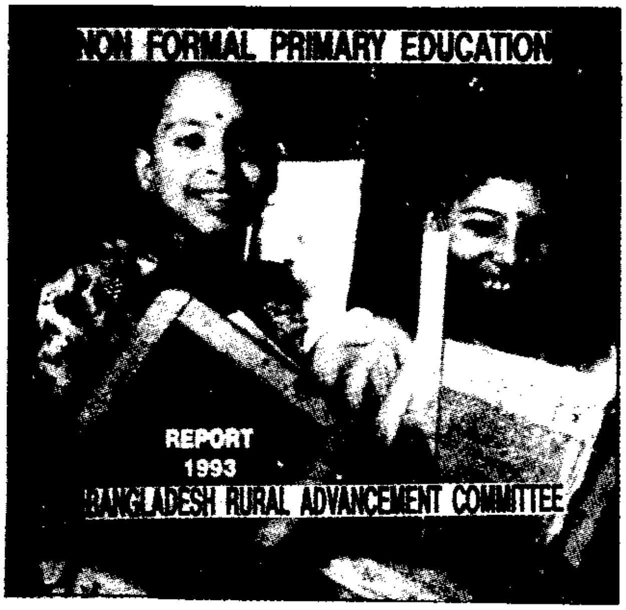

BRAC کی رپورٹ 1993ء کا سرورق

☆ ☆

بقیہ : توجہ طلب

کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں مگر ہر ایک کے دل الگ الگ دھڑکتے ہیں' ایک دوسرے کو خوف و اندیشہ سے دیکھتے ہیں۔

یہاں بڑے بڑے پلازہ بنے ہوئے ہیں۔ ان میں ہر قومیت کے لوگ آباد ہیں' جب ایک پلازہ کا محاصرہ ہوتا ہے اور صرف ایک قوم یا قومیت کے نوجوانوں کو گھیر کر لے جایا جاتا ہے اس وقت دوسری قومیت کے لوگ ان کی کوئی مدد نہیں کرتے نہ اس ظلم پر کوئی احتجاج بلند کرتے ہیں۔ اس عمل نے بھی دوری کو مزید بڑھا دیا ہے۔ ایک ہی پلازہ میں عورتیں اپنے لاڈلوں کے غم میں نوحہ کناں ہیں اور دوسری طرف ٹی وی اور کیسٹ سے گانوں کی صدائیں بلند ہو رہی ہیں۔ اس بے حسی میں اس قومیت کے لوگ بھی گرفتار ہیں جن کے سپوت پولیس کی حراست میں ہیں وہ بھی "بھارتی فلموں" یا "انگریزی فلموں" کے کیسٹ دیکھ کر رات گزارتے ہیں۔

کوئی نہیں سوچتا کہ یہ عذاب ہم پر بلاوجہ نازل نہیں ہوا ہے' اسے بھی وہ اسباب و علل کے کھاتے میں ڈال دیتے ہیں اور اپنے رب کی طرف رجوع نہیں کرتے۔ حقوق کی جنگ میں جتنی لاشیں گری ہیں یا گرائی گئی ہیں اگر اس سے نصف قربانی اسلام کے نظام عدل اجتماعی کے قیام کے لئے دی جاتی تو آج پاکستان کا منظر دوسرا ہوتا۔ حقوق بھی ملتے اور اہل پاکستان کو امن و چین میسر آتا۔ ہجرت کرکے پاکستان آنے والے لوگوں پر اس نظام کو قائم کرنا قرض تھا۔ انہوں نے یہ قرض ادا نہیں کیا اب سود در سود ادا کرنا پڑ رہا ہے اور ظلم کی چکی میں الگ پس رہے ہیں۔

اس ملک کے دوسرے باشندے بھی جن کے ایمان کا تقاضا تھا کہ وہ اس نظام کو قائم کریں وہ صریحاً اس سے صرف نظر کر گئے اور انتخابات میں بے دین اور لادین لوگوں کو منتخب کیا۔ آج وہ بھی اس گرانی کے چکر میں پس رہے ہیں اور عنقریب ان پر بھی وہ ظلم کا کوڑا برس کر رہے گا جو نیو ورلڈ آرڈر کی شکل میں سروں پر منڈلا رہا ہے۔

پورے کا پورا معاشرہ مادہ پرست بن چکا ہے اور مادہ پرست حیوانی سطح پر ہوتا ہے' انہیں کھانے کمانے اور نسل بڑھانے کے علاوہ کوئی اعلیٰ سطح کا ادراک نہیں ہوتا۔ نماز اور روزے کا شمار تو عادت میں کیا جا سکتا ہے۔ اس کے پیچھے نہ وہ روح ہے اور نہ وہ ولولہ۔ اللہ کی کبریائی کا تصور ذہنوں سے اوجھل ہے۔

ہمارے زوال کا اصل سبب یہی مادہ پرستی یعنی دنیا سے محبت اور مال و دولت کی طمع ہے۔ وہ لوگ جو اس ملک میں خیر نافذ کرنا چاہتے ہیں انہیں معاشرے میں وہ بنیادی فکر اجاگر کرنی ہوگی' انہیں یہ بات سمجھانی ہوگی کہ تم دنیا کی دوسری قوموں کی طرح مال و دولت کے اسیر نہ بنو۔ یہ سب عارضی چیزیں ہیں۔ تمہاری منزل اس سے بہت آگے ہے۔ دنیا تو ایک گزرگاہ ہے' اپنا سب کچھ اس میں نہ کھپاؤ۔ اس کے لئے ایک تحریک برپا ہونی چاہئے۔ اس تحریک کا نام توبہ' تجدید ایمان اور تجدید عہد ہوگا۔ جب تک یہ تحریک پورے معاشرے میں برپا نہیں ہوتی ہمارے مصائب کے دن ختم نہیں ہونگے!!

فرمودۂ اقبال

بہرِ حق درخاک و خوں غلطیدہ است
پس بنائے لاالہ گردیدہ است
ماسوی اللہ رامسلماں بندہ نیست
پیش فرعونے سرش افگندہ نیست
رمز قرآں از حسین آموختیم
زآتش او شعلہ ہا اندوختیم

فوجی افسروں کی سازش .... مگر کس کے خلاف؟

حکومت کا فوجی افسران کے خلاف اقدام کئی سوالیہ نشان چھوڑ گیا!

یہ حکومتی کارروائی یقیناً امریکی دباؤ کا نتیجہ ہے!

سینٹ اور اسمبلی کے چند ممبران کے علاوہ باقیوں کا چپ سادھ لینا حیرت انگیز ہے!

تحریر: عبادت حسین اخذ و ترجمہ: سردار اعوان

بالاخر "سازش" برآمد کرلی گئی۔ ایک میجر جنرل' ایک بریگیڈیئر' نصف درجن فوجی افسر اور ۳۵۔۳۰ سویلین ملا کر ساری فوجی قیادت' صدر' وزیر اعظم اور وزیر اعظم کے بچوں کو ملیا میٹ کرنے' اور ملک میں اپنی طرز کی شریعت نافذ کرنے کا منصوبہ بنانے کے مرتکب قرار پائے ہیں۔ پروگرام کے مطابق ۳۰ ستمبر کو انہیں جی۔ ایچ۔ کیو کے کانفرنس ہال پر دھاوا بولنا اور وہاں میٹنگ میں شامل کور کمانڈروں پر قابو پا کر فوجی قیادت پر قبضہ کرنا تھا۔ وزیر دفاع آفتاب شعبان میرانی نے سینٹ میں اس کا انکشاف کرتے ہوئے بتایا کہ اس کے بعد انہوں نے اہم سیاست دانوں کو گرفتار کرکے ایسی حکومت قائم کرنا تھی جس میں مذکورہ جنرل' چیف آف آرمی سٹاف اور امیر المومنین کے منصب پر فائز ہوتے۔

> "یہ مان بھی لیں کہ سخت حفاظتی نظام کی موجودگی میں کانفرنس ہال تک پہنچ کر میٹنگ میں مصروف کور کمانڈروں پر غلبہ حاصل کیا جا سکتا تھا تو کیا یہ ممکن تھا کہ وہاں سے فارغ ہو کر ایک میجر جنرل' ایک بریگیڈیئر اور نصف درجن فوجی افسر' صدر وزیر اعظم' اور ان کے خاندان والوں سے بھی جا کر نپٹ لیتے"

میرانی صاحب نے بتایا کہ ان کے ہاتھ ایسی تحریریں لگی ہیں جن میں مجوزہ آئین کا مسودہ' نئے سیاسی نظام کا ڈھانچہ' تقریر جو حکومت پر قبضہ جمانے کے بعد نشر کی جانی تھی اور اشخاص کو کرنا تھا کی فہرست بھی موجود ہے۔ گویا سازش کرنے والوں نے ناکامی کی صورت میں اپنے جرم کے ثبوت کا بھی خاطر خواہ اہتمام کر رکھا تھا تاکہ انکی گرفتاری میں کوئی دقت پیش نہ آئے۔ یہ مان بھی لیں کہ سخت حفاظتی نظام کی موجودگی میں کانفرنس ہال تک پہنچ کر میٹنگ میں مصروف کور کمانڈروں پر غلبہ حاصل کیا جا سکتا تھا تو کیا یہ ممکن تھا کہ وہاں سے فارغ ہو کر ایک میجر جنرل' ایک بریگیڈیئر اور نصف درجن فوجی افسر' صدر وزیر اعظم' اور وزیر اعظم کے خاندان والوں سے بھی جا کر نپٹ لیتے۔ یہی نہیں بلکہ بعد میں تمام اہم مقامات پر قابض ہو کر اہم سیاسی راہنماؤں کو گرفتار بھی کرتے۔

اس کہانی میں جان ڈالنے کے لئے وزیر دفاع نے مزید فرمایا ہے کہ منصوبہ بازوں کو جب یہ احساس ہوا کہ فوج کے اندر سے کوئی مدد حاصل کرنا ممکن نہیں تو انہوں نے ۲۵' ۳۰ شدت پسند سویلین ساتھ شامل کر لئے۔ سب سازشی بطور سٹاف افسر تعینات تھے۔ کسی کے پاس بھی فوج کی کمان نہ تھی' نہ ہی جیسا کہ بتایا گیا ہے فوج میں ان کو کوئی حمایت حاصل تھی' اس کے باوجود حکومت دنیا کو باور کرانے پر مصر ہے کہ ایسی سازش ہوئی ہے۔ یہ قصہ یہیں ختم نہیں ہوتا' بتایا گیا ہے کہ ان کے قبضے سے ہتھیار بھی برآمد ہوئے ہیں جن کی تفصیل یہ ہے کہ: ۲۶ عدد اے کے اسالٹ رائفلیں (مع ۱۲ عدد میگزین) ایک راکٹ لانچر (مع ۵ عدد راکٹ) اور ۳۰ عدد کمانڈوز یونیفارم (بغیر کمانڈز و کے)۔ ان کے علاوہ چین ساختہ ۳۰ بور کے ۵ عدد پستول' ۷ عدد واکی ٹاکی سیٹ اور ۶۳ عدد اے۔ کے ۴۷ رائیفلوں کا مع ۳۰۰۰ گولیوں کے آرڈر دے رکھا تھا۔

میرانی صاحب نے اسلام آباد میں مقیم مغربی سفارت کاروں کے ان تبصروں کی تردید نہیں کی جن میں کہا گیا ہے کہ حکومت پر امریکہ کا مسلسل یہ دباؤ تھا کہ فوج کو ایسے عناصر سے پاک کرے جو بنیاد پرستی کا شکار ہیں اور واشنگٹن کے اس منصوبے میں حائل ہیں جس کا مقصد جوہری پروگرام کی بساط لپیٹ کر پاکستان کو مقبوضہ کشمیر کے حق سے دستبردار کرانا ہے۔ چنانچہ یہ ڈرامہ امریکہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے رچایا گیا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ پاکستانی فوج کی چوٹی کی قیادت پہلے ہی سر تسلیم خم کر چکی ہے یہ صرف درمیانہ قیادت ہی ہے جو آڑے آتی ہے اس لئے کہ اکثر و بیشتر اس کا تعلق پنجاب اور سرحد کے جاگیرداروں کے چاپلوس طبقہ سے نہیں ہوتا۔ یہ بات خاصی مایوس کن ہے کہ سینٹ کے معدودے چند ممبران نے حکومت کی فراہم کردہ معلومات پر شک کا اظہار کیا اور ملزموں پر کھلی

کچہری میں مقدمہ چلانے کا مطالبہ کیا مگر سنجیدگی سے کسی نے بھی واقعات کو سمجھنے کی زحمت گوارا نہیں کی' چہ جائیکہ اسلام آباد کے سفارتی حلقوں کی آراء کو بنیاد بنا کر باقاعدہ تحریک التوا پیش کی جاتی۔

فوجی سازش کے ساتھ ہی ایک اور اہم خبر بھی تھی مگر اکثر لوگوں کی نظروں سے اوجھل رہی وہ یہ کہ حکومت ڈاکٹر عبدالقدیر خان کو بھی فارغ کرنے کے چکر میں ہے۔ ڈاکٹر خان وہ ممتاز سائنس دان ہے جس نے پاکستان کو ایٹمی طاقت بنانے میں اہم کردار ادا کیا ہے اور اب اس بچے کھچے پروگرام کی آخری نشانی ہیں۔ بے نظیر صاحبہ نے اس خبر پر یہ کہہ کر جان چھڑائی کہ اس کا دار و مدار عبدالقدیر خان پر ہے۔ بہرحال اسے ان کے خاموشی سے رخصت کئے جانے کی تمہید سمجھئے۔ ویسے بھی ڈاکٹر خان کو ذہن نشین کرا دیا گیا ہے کہ حکومت کو اب انہیں رکھنے کا کوئی اشتیاق نہیں۔ ظاہر ہے بھارت اور اسرائیل سے ملنے والی دھمکیاں تو وہ نظر انداز کر سکتے ہیں مگر اپنے ہی منہ پھیر لیں تو وہ کیا کر سکتے ہیں۔

ایٹمی پروگرام کا سب سے حیران کن پہلو یہ ہے کہ اس سے وابستہ ایک معمولی سے معمولی آدمی کو بھی سیکورٹی کی کلیرنس کے بے شمار مراحل سے گزرنا پڑتا ہے لیکن اوپر کی اعلیٰ سطحی قیادت جس میں وزیراعظم بھی شامل ہیں اور جن کے ہاتھ میں ملک کی باگ ڈور ہوتی ہے ہر طرح کی کلیرنس سے مستثنیٰ ہے۔

کوئی ان سے پوچھنے والا نہیں۔ کیا وجہ ہے آپ امریکہ میں آباد ہونا چاہیں تو آپ کو فوراً خوش آمدید کہا جاتا ہے۔

پاکستان میں فوج کو خصوصی تقدس حاصل ہے۔ اس کے بارے میں کوئی بات نہیں کی جا سکتی ورنہ میرانی صاحب کی یہ من گھڑت کہانی جس کا بعد میں وزیراعظم صاحبہ خود بھی اعادہ فرما چکی ہیں' کوئی بھی شخص ماننے کے لئے تیار نہیں۔ پاکستان میں سازشوں کا چرچا کوئی نئی بات نہیں لیکن "شیر آیا شیر آیا" کا شور مچانے والوں کو یہ نہیں بھولنا چاہئے کہ کبھی سچ مچ بھی شیر آ سکتا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ چیف آف آرمی سٹاف جنرل عبدالوحید کاکڑ نے جماعت اسلامی کے امیر قاضی حسین احمد کو بلا کر تنبیہ کر دی تھی کہ اس معاملے میں زیادہ جوش کا مظاہرہ نہ کریں۔ حکومت مخالف سیاسی جماعتوں کا منہ بند کر لینا آسان ہے' اسلام آباد کے مغربی سفارت کاروں کو بھی تو سمجھائیں جو کہتے ہیں کہ

(باقی صفحہ ۲۲ پر)

کلاشنکوف کلچر

تحریر : رابرٹ فسک اخذ و ترجمہ : سردار اعوان

کوئی ایک دہائی سے زیادہ ہی عرصہ ہوا ہو گا ایک روز میں کوبارلو (Co carlo) میں اپنے ایک دوست کے گھر ۲۳-۱۹۲۲ء کی خانہ جنگی سے متعلق رپورٹوں کی تلاش میں ۹۰ سال پرانے آئرش ٹائمز کے بنڈل الٹ پلٹ کر رہا تھا کہ ان کے نیچے اس افسوسناک لڑائی کی ایک بڑی نایاب نشانی' برطانوی لی انفیلڈ ۳۰۳ رائفل پڑی ملی جس کے لکڑی کے بٹ پر تاج کا چھوٹا سا نشان اور ۱۹۱۸ء کی تاریخ کی مہر ثبت تھی۔ ساتھ ہی گولیوں کا تازہ کلپ رکھا تھا' کوئی نہیں کہہ سکتا کہ ۲۱-۱۹۱۸ء کی آئی۔ آر۔ اے کے ہاتھ وہ اسلحہ کیسے لگا' لیکن جیسے بھی تھا ایک آئرش خاندان تک پہنچا اور جب تک یہ لڑائی ہوتی رہی اس کے پاس رہا۔ جب لڑائی ختم ہوئی تو دوسرے ہزاروں آئرش لوگوں کی طرح انہوں نے بھی یہ سوچ کر اپنی رائفلیں گھر میں محفوظ کر لیں کہ ہو سکتا ہے کہ برطانوی دوبارہ آ جائیں یا کیا معلوم یہ جنگ بندی عارضی ثابت ہو اور لڑائی دوبارہ چھڑ جائے۔

اب بہرحال وہ ایک آثار قدیمہ کی شے ہے اور کسی عجائب گھر کی زینت بننے کے لائق ہے' مجھے اصل میں یہ واقعہ یہ سن کر یاد آیا کہ امریکی سینیٹر' جارج مچل کو آئرش "امن عمل" میں درپیش سب سے بڑی رکاوٹ یعنی "ہتھیاروں کی واپسی" کا حل تلاش کرنے کی ذمہ داری سونپی گئی ہے۔ ویسے تو جنگ بندی کے باوجود کوئی بھی گروہ اس وقت تک اپنے ہتھیار دینے پر آمادہ نہیں ہوتا جب تک امن معاہدہ پر باقاعدہ دستخط نہ ہو جائیں لیکن تاریخ بتاتی ہے کہ آئرش اپنے ہتھیار زمین میں دبا دیں گے' انگریزوں کے حوالے نہیں کریں گے۔

سوال یہ ہے کہ اگر آئی۔ آر۔ اے والے ہتھیار جمع نہیں کراتے تو کیا امن کو خطرہ لاحق رہے گا؟ لبنان کی خانہ جنگی سے پتہ چلتا ہے کہ ایسا نہیں ہو گا۔ ۱۹۹۰ء میں لبنان کے باغی جرنیلوں کے خفیہ ٹھکانے پر شام کی بمباری کے بعد جب عیسائی اور مسلمان جنگجوؤں نے بیروت میں لڑائی بند کر دی تھی تو لبنان کی نئی حکومت کی طرف سے زوردار اعلان ہوا تھا کہ تمام جنگجو گروہ اپنے ہتھیار حکومت کے حوالے کر دیں۔ لیکن صرف نمائشی طور پر ہتھیاروں سے لدے ہوئے چند ٹرک حکومت کے حوالے کئے گئے تھے اور عیسائی ملیشیا نے پیسے کے لالچ میں راکٹ سے چلنے والے گرنیڈ کشتی میں لاد کر کروشیا بھیج دیئے تھے لیکن کلاشنکوفیں' پسٹل اور اسلحہ پہاڑیوں میں دفن کر دیا یا گھروں میں چھپا لیا۔ سینیٹر مچل کو' جن کا تعلق اتفاق سے لبنان اور آئرلینڈ دونوں سے ہے' یہ پہلو ذہن میں رکھنا ہو گا۔ کیونکہ سینکڑوں لبنانیوں کو میں ذاتی طور پر جانتا ہوں کہ انہوں نے اسلحہ اپنے پاس رکھا ہوا ہے۔ مغربی بیروت میں میرے اپنے چھوٹے سے علاقے میں لوگوں کے گھروں میں اسلحہ موجود ہے اور سیکورٹی والوں کو اس کا علم ہے۔ سادہ سی بات ہے' اگر امن ہو گا تو اسلحہ استعمال کرنے کی نوبت نہیں آئے گی لیکن حکومت امن قائم رکھنے میں ناکام ہو جاتی ہے تو لوگوں کے پاس ہتھیار اٹھانے کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں رہتا۔ لہٰذا بندوقوں کا منہ بند رکھنے کے لئے کسی حکومت کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ اپنے عوام کو تحفظ فراہم کرے۔ گھروں میں اسلحہ رکھنے میں بلاشبہ خطرے کا پہلو بہت زیادہ ہے۔ ٹیٹو نے کروٹوں سے جنگ کا انتقام لینے کے لئے یوگوسلاویہ میں ہر گھر میں اپنے دفاع کے لئے اسلحہ رکھنے پر اصرار کیا لہٰذا ۱۹۹۱ء میں جنوبی سلاو میں خانہ جنگی شروع ہوئی تو گھروں میں رکھا ہوا اسلحہ ایک دم باہر آ گیا جس کے بڑے بھیانک اثرات مرتب ہوئے۔ اگرچہ نئی خانہ جنگی کا باعث یوگوسلاویہ کا ٹکڑوں میں بٹا ہوا ہونا اور وہاں کے پست خیال ڈکٹیٹروں کی کارستانی ہے۔ مزید برآں بوسنیا کے جنگ بازوں نے اسلحہ پر عائد پابندی کی خلاف ورزی کرتے ہوئے ۱۹۹۲ء میں اپنے آدمیوں کو جدید اسلحہ سے لیس کر لیا تھا۔OO

☆☆☆☆☆☆

شادی بیاہ کی بے جا رسوم طبقہ امراء کی ایجاد ہیں

علماء کو رسومات کے بڑھتے ہوئے سیلاب کے خلاف واضح موقف اختیار کرنا چاہئے

جواز کے فتوے معاشرتی مشکلات میں اضافے کا باعث ہیں!

محض وعظ و نصیحت نہیں، ٹھوس عملی اقدامات کی ضرورت ہے

محمد سمیع

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ قابل صد احترام مولانا مفتی جسٹس محمد تقی عثمانی مدظلہ نے شادی بیاہ کے بارے میں جاری رسوم خصوصاً جہیز، شادی کی دعوت اور بارات کے بارے میں قلم کو جنبش دی ہے۔ مولانا محترم نہ صرف یہ کہ ایک معروف عالم دین ہیں بلکہ فیڈرل شریعت کورٹ کے جج بھی ہیں لہٰذا توقع یہ کی جاتی ہے کہ ان کی اس مبارک سعی کا کچھ نہ کچھ اچھا نتیجہ نکلے گا۔ شادی بیاہ کے ضمن میں امت مسلمہ کے اس حصے نے جو برصغیر میں آباد ہے، اپنے آپ کو بے جا رسوم کا پابند کر لیا ہے حالانکہ اسلام اس طرح کی فضول رسوم کو مٹانے کے لئے آیا تھا۔ ان رسوم کے فروغ میں طبقہ اشرافیہ کا بڑا رول رہا ہے لیکن جب یہی روش عام لوگوں نے بھی اختیار کی تو اس کے سارے اثرات بد خود وہ ہی بھگتنے پر مجبور ہیں کیونکہ ان کے پاس ان اللوں تللوں کے لئے وسائل موجود نہیں جس کے نتیجے میں وہ آخری دم تک قرض کی بندشوں میں جکڑے رہتے ہیں یا ان کی بیٹیاں ہاتھ پیلے ہونے کے انتظار میں بال سفید کر دیتی ہیں۔ مولانا محترم نے معاشرے میں پیدا ہونے والے جنسی بے راہ روی کا تذکرہ ہی نہیں کیا جو انہی بندشوں کے نتیجے میں وقوع پذیر ہو رہی ہے۔ یہاں بھی طبقہ اشرافیہ پر زیادہ اثر نہیں ہوتا۔ اس کے برعکس کسی غریب کی بیٹی کے قدموں میں لغزش پیدا ہو جائے تو پورے خاندان کے لئے قیامت برپا ہو جاتی ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ اس بات کی سخت ضرورت ہے کہ طبقہ علماء سے اہل علم حضرات گاہے بگاہے ان مسائل پر قلم اٹھاتے رہیں تو اصلاح احوال کی توقع ہے کیونکہ اس پر آشوب دور میں بھی جبکہ دین اور دینی عناصر سے لوگوں میں بیزاری عام ہے لوگ علماء کی باتوں کو مستند سمجھتے ہیں۔

میں نہایت ادب و احترام کے ساتھ مولانا محترم کی خدمت میں چند گزارشات پیش کرنے کی جسارت کروں گا۔ انہوں نے جہیز کی برائیوں کو گنوانے کے بعد لکھا ہے "شرعی اعتبار سے بھی جہیز کی حقیقت صرف اتنی ہے کہ اگر کوئی باپ اپنی بیٹی کو رخصت کرتے وقت اسے کوئی تحفہ اپنی استطاعت کے مطابق دینا چاہے تو دے اور ظاہر ہے کہ تحفہ دیتے وقت لڑکی کی آئندہ ضروریات کو مدنظر رکھا جائے تو زیادہ بہتر ہے"۔ اس طرح انہوں نے جہیز کا جواز پیدا کر دیا

> "اس بات کی سخت ضرورت ہے کہ طبقہ علماء سے اہل قلم حضرات گاہے بگاہے ان مسائل پر قلم اٹھاتے رہیں۔ اس سے اصلاح احوال کی توقع کی جا سکتی ہے، اس لئے کہ اس دور پر آشوب میں بھی لوگ علماء کی باتوں کو مستند سمجھتے ہیں"

ہے اور جب طبقہ علماء سے اس قسم کا جواز حاصل ہو جائے تو لوگ اسے سند بنا لیتے ہیں۔ حالانکہ اس کی موجودہ صورتحال میں کوئی ضرورت نہ تھی۔ کون نہیں جانتا کہ محض تحفہ کے طور پر چند چیزیں دے کر کسی لڑکی کا باپ معاشرے کے جبر سے آزاد نہیں ہو سکتا، اور نہ شادی کے بعد اس کی لڑکی کی زندگی خوشگوار رہ سکتی ہے کیونکہ مولانا کی مذکورہ اصطلاح "تحفہ" اور "جہیز" میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ پھر تحفے کے جہیز کے لئے جواز کے طور پر استعمال کرنے کی ضرورت کیا ہے؟ امر واقعہ یہ ہے کہ جب تک جہیز کی لعنت کو ختم نہیں کیا جاتا، معاشرہ اس کے اثرات بد سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔ اسی طرح مولانا نے بارات اور لڑکی والوں کے گھر پر دعوت کے بارے میں تحریر فرمایا ہے کہ "لڑکی والوں کی طرف سے دعوت کا اہتمام نہ سنت ہے نہ مستحب بلکہ اگر دوسری خرابیاں نہ ہوں تو صرف جائز ہے۔ یہی معاملہ بارات کا ہے۔ نکاح کے وقت دولہا کی طرف سے بارات لے جانا کوئی سنت نہیں، نہ نکاح کو شریعت نے اس پر موقوف کیا ہے لیکن اگر دوسری خرابیاں نہ ہوں تو بارات لے جانا کوئی گناہ بھی نہیں"۔ سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ جب یہ امور نہ سنت ہیں اور نہ مستحب تو ہم اس کا جواز پیدا کر کے برائیوں کے دروازے کھولنے پر کیوں مجبور ہیں۔ کون نہیں جانتا کہ یہ رسوم اور "دوسری خرابیاں" لازم ملزوم ہیں۔ مولانا محترم یہ سب امیروں کے چونچلے ہیں لہٰذا برائے کرم ان کا جواز فراہم کر کے مصیبت زدہ غریب عوام کے مصائب میں مزید اضافہ کا دروازہ نہ کھولیں بلکہ ڈٹ کر ان بے جا رسوم کی مذمت کریں۔

مولانا محترم نے یہ درست تحریر فرمایا ہے کہ یہ معاملہ نہ تو قانون سازی کے ذریعہ ہی قابو میں آ سکتا ہے اور نہ ہی محض وعظ و نصیحت کے ذریعہ۔ ہماری بدقسمتی یہ ہے کہ ہم قانون سازی میں تو بہت تیز ہیں لیکن قانون کی عملداری کا دارومدار اس ملک پر مسلط بدعنوان نوکر شاہی پر ہے۔ ان کے اقدامات سے برائی تو نہیں مٹتی لوگوں کے مصائب میں ضرور اضافہ ہو جاتا

ہے۔ کسی نے بہت درست کہا ہے کہ ایک ٹن وعظ کے مقابلے میں ایک اونس عمل زیادہ وزنی ہوتا ہے۔ ضرورت ہے کہ طبقہ علماء عملی طور پر اس برائی کے خلاف جہاد شروع کریں اور اس کی صورت یہ ہے کہ ہر اس نکاح کا وہ بائیکاٹ کریں جو

(i) مسجد میں منعقد نہ ہوتا ہو
(ii) جس میں جہیز کا معاملہ ہو
(iii) جس میں لڑکی والوں کے ہاں کھانا ہوتا ہو۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اس سے ان کچھ مالی مفادات پر ضرب پڑنے کا امکان ہے لیکن اکثر و بیشتر نکاح خواں کا پیشہ صرف نکاح خوانی نہیں ہوتا بلکہ وہ اسے ایک پارٹ ٹائم جاب کے طور پر انجام دیتے ہیں۔ اگر وہ اصلاح رسوم کی خاطر، جس کے نتیجے میں عوام الناس کو سکھ کا سانس لینے کا موقع ملے، تھوڑی سی مالی قربانی دینے کے لئے تیار نہیں ہوتے تو وہ یہ کیسے توقع رکھتے ہیں کہ ان کے وعظ و نصیحت کا عوام پر کوئی اثر ہو گا۔

رہی مولانا محترم کی یہ بات کہ "بعض حضرات جو بارات لے جانے اور لڑکی والوں کی طرف سے ان کی دعوت کو ایسا گناہ سمجھتے ہیں جیسے قرآن و سنت نے اس سے خاص طور پر منع کیا ہو۔ ان کا یہ تشدد بھی مناسب نہیں"۔ مولانا آج ساری دنیا میں تشدد کے ذریعے اپنے مطالبات منوانے کا چلن ہے۔ لیکن مطالبات منوانے والے خود پر نہیں بلکہ مخالفین پر تشدد کرتے ہیں تو دینی عناصر اصلاحی رسوم کی خاطر اپنے آپ پر تشدد کرتے ہوئے ان دعوتوں میں شرکت سے اجتناب کرتے ہوں اور اس کے اچھے نتائج نکلتے ہوں تو یہ تشدد جائز قرار دیا جانا چاہئے۔ شاید مولانا کے علم میں یہ بات ہو گی کہ ملک کے مشہور خطیب اور مدرس قرآن ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے آج سے کئی سال قبل یہ فیصلہ کیا تھا کہ وہ کسی ایسے خاندان کے فرد کا نکاح نہیں پڑھائیں گے جو

(i) مسجد میں نکاح منعقد نہ کرتے ہوں
(ii) لڑکی والوں کے ہاں دعوت کا اہتمام ہوتا ہو (نکاح کے موقع پر)

اس کے مثبت نتائج برآمد ہوئے ہیں اور اب مسجد میں نکاح، لڑکی والوں کے ہاں نکاح کے موقع پر دعوت سے اجتناب اور جہیز سے براءت کی ایک تحریک جڑ پکڑ چکی ہے اور بے شمار خاندان اس تحریک میں شمولیت اختیار کر کے معاشرے سے بغاوت کا عملی مظاہرہ کرتے رہتے ہیں لیکن ایسا اس لئے ممکن ہوا ہے کہ ڈاکٹر صاحب موصوف نے نہ صرف اپنے صاحبزادوں اور صاحبزادیوں کی شادی کے معاملے میں اس فیصلے پر سختی سے عمل کیا بلکہ اپنے عزیز و اقارب اور اپنی تنظیم اسلامی کے وابستگان کے لئے بھی اس روش کے اختیار کرنے کے محرک بنے۔ معاشرے سے ان کی اس تحریک پر کوئی نکتہ چینی نہیں ہوئی ہے۔ اگر ہوئی ہے تو علماء ہی کے طبقے سے، جنہوں نے مسجد میں نکاح کے انعقاد کے موقع پر مفروضہ خرابیوں کے پیدا ہونے کے چرچے کو عام کیا۔ جبکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ان سے زیادہ کس کو ازبر ہو گا کہ "نکاح کا اعلان عام کیا کرو اور اسے مساجد میں منعقد کیا کرو"۔

میں آخر میں مولانا محترم سے اپنی جسارت پر معافی کا خواستگار ہوں لیکن اس تحریر کی پشت پر جذبہ یہی ہے کہ علماء کرام اصلاح رسوم کے لئے عملی جہاد کا آغاز کریں۔

☆☆☆☆☆☆☆

کیا علماء اپنا فرض ادا کر رہے ہیں؟

جماعت اشاعت التوحید والسنت کے مرکزی امیر مولانا محمد طیب کا خصوصی انٹرویو، جو تکبیر کے شمارے ۱۴/ دسمبر ۹۵ء میں شائع ہوا، سے ایک اقتباس

سوال: اس وقت دینی جماعتوں کے جو ارکان اسمبلیوں میں موجود ہیں کیا وہ اپنے فرائض کماحقہ، پورے نہیں کر رہے؟

جواب: ہرگز نہیں۔ جب یہ لوگ انتخابی مہم چلا رہے تھے تو بستی بستی، نگر نگر لوگوں سے یہی کہتے تھے "ہمیں ووٹ دو، ہم شریعت کا نظام لائیں گے"۔ جن لوگوں نے ان کی بات کو سچ جانا انہوں نے اللہ کے دین کی خاطر ان کو ووٹ دیئے اور کوئی پائی پیسہ وصول نہیں کیا، دین کی خدمت کے لئے مفت ووٹ لے کر آنے والے علماء پر لازم تھا کہ اسمبلیوں میں آنے کے بعد قومی خزانے سے کوئی پیسہ وصول نہ کرتے اور محض خدمت اسلام کے لئے کلمہ حق بلند کرتے۔ علماء عام ارکان کو ملنے والے تمام مفادات اور تمام مراعات سے لطف اندوز ہو رہے ہیں۔ ترقیاتی فنڈز بھی سمیٹ رہے ہیں، الاؤنسز بھی کھا رہے ہیں، سرکاری رہائش گاہوں پر بھی قابض ہیں، ہوائی جہازوں کے واؤچر بھی سنبھال رکھے ہیں، سرکاری گاڑیاں بھی استعمال کر رہے ہیں، غیر ملکی دورے بھی فرما رہے ہیں، پرمٹ اور لائسنس بھی لے رہے ہیں، کیا یہ سارا کام دین کی خدمت ہے یا اسے نفاذ شریعت کی جدوجہد کا حصہ سمجھا جائے؟ کیا پل اور سڑکیں بنوانا علماء کا کام ہے؟ کیا انہوں نے عوام کے سامنے نفاذ شریعت کا وعدہ نہیں کیا تھا؟ پل اور سڑکیں اور نالیاں تو دوسرے ارکان بہتر طور پر بنوا سکتے تھے، ان کاموں کے لئے عالم دین کی کیا ضرورت ہے؟

سوال: مولانا! کہا جاتا ہے کہ پیپلز پارٹی اور مسلم لیگ، دونوں نے قوم کو مایوس کیا ہے، اس لئے دینی سیاسی جماعتیں تیسری قوت کے طور پر متبادل قیادت فراہم کر سکتی ہیں؟

جواب: یہ تصور سراسر فریب ہے۔ دینی سیاسی جماعتیں یا تو خود اپنے آپ کو دھوکا دے رہی ہیں یا کوئی نادیدہ قوت انہیں بڑی مہارت سے اس فریب میں مبتلا کر رہی ہے۔ اس فریب کی اساس پر جو بھی حکمت عملی ترتیب دی جائے گی، اس کا ایک ہی نتیجہ نکلے گا اور وہ یہ کہ پی پی دین دار حلقوں کے ووٹوں کی تقسیم سے فائدہ اٹھا کر برسراقتدار آ جائے گی۔ ۱۹۹۳ء میں بھی یہی ہوا اور اس کامیاب ہتھیار کو ایک بار پھر چمکایا جا رہا ہے۔ ان جماعتوں کے سامنے ایک ہی راستہ ہے اور وہ یہ کہ چند شرائط کی بنیاد پر یہ نسبتاً محب وطن اور اسلام پسند جماعت کے ساتھ معاہدہ کریں اور اگر کوئی وزن رکھتی ہیں تو بالواسطہ کسی لادین جماعت کے پلڑے میں وزن ڈالنے کے بجائے کسی مثبت قوت کے پلڑے میں ڈال دیں۔ تیسری قوت کا تصور تو شیخ چلی کے خواب سے زیادہ کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔○○

بقیہ : نقطہ نظر

بھٹو حکومت نے امریکہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے یہ ڈرامہ رچایا ہے۔ نیز ان افواہوں کا تدارک کریں جو ان کے اور ان کے جرنیلوں کے دولت سمیٹنے کے بارے میں ہیں۔ پاکستان کی فوجی قیادت کو اپنی ساکھ اور شہرت کو بچانے کا آج جتنا کٹھن مرحلہ درپیش ہے اس سے پہلے کبھی نہ تھا۔ ملک کے ذہین نوجوان سائنس دانوں نے اپنی قابل فخر دفاعی افواج کو جوہری آلات اور میزائل پروگرام سے لیس کرنے کے لئے دن رات ایک کئے رکھا مگر فوجی جرنیل اب جلد از جلد ان سے پیچھا چھڑانے میں عافیت محسوس کرنے لگے ہیں۔

پاکستان کی افواج کو درپیش یہ مسائل نئے نہیں لیکن حالات جس نہج پر آچکے ہیں ان سے آنکھیں بند کرلینا قومی سلامتی سے آنکھیں پھیرلینے کے مترادف ہوگا' سیاست دانوں سے کسی قسم کی توقع رکھنا اپنے آپ کو دھوکہ دینا ہے۔ عوام کی ذمہ داری ہے کہ حالات کی نزاکت کا احساس کریں اور اس امر کو یقینی بنائیں کہ ملک کی جغرافیائی اور نظریاتی سرحدوں کے محافظ ایمان' تقویٰ اور جہاد' کا سنہرا اصول پس پشت ڈال کر "امریکہ" "ڈالر" اور "ایف ۔ ۱۶" کے دھوکے میں نہ آئیں۔ جو قوم بیدار اور مستعد نہیں رہتی تنہا جرنیل اس قوم کے دفاع کی ذمہ داری سے عہدہ براء نہیں ہوپاتے۔○○

(بشکریہ : "امپیکٹ انٹرنیشنل" دسمبر۹۵ء)

○

بقیہ : مکتوب کراچی

جو اس نے خواتین کو گرفتار کرکے اور انہیں نامعلوم مقام پر رکھ کر کیا ہوا ہے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایسا کیوں ہو رہا ہے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم نے اسلام کے عطا کردہ نظام عدل و قسط سے روگردانی کی ہوئی ہے۔ اس ضمن میں مولانا کی تحریر سے لیا گیا اقتباس بھی قابل غور ہے۔ "قرآن کریم کا یہ اٹل اصول ہے کہ انسان کے ساتھ عدل و انصاف کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : ﴿ولا یجرمنکم شنان قوم علی الا تعدلوا' اعدلوا ھو اقرب للتقوی○﴾ (المائدہ : ۸) "کسی گروہ کی دشمنی تمہیں اتنا مشتعل نہ کر دے کہ انصاف سے پھر جاؤ۔ عدل کرو۔ یہ خدا ترسی سے زیادہ قریب ہے"۔ اس آیت میں یہ اصول متعین کر دیا کہ انسان کے ساتھ۔ ایک فرد کے ساتھ بھی اور ایک قوم کے ساتھ بھی۔ بہرحال انصاف کو ملحوظ رکھنا پڑے گا۔ اسلام کے نزدیک یہ قطعاً درست نہیں ہے کہ دوستوں کے ساتھ تو ہم عدل و انصاف برتیں اور دشمنوں کے ساتھ اس اصول کو نظر انداز کر دیں۔ دشمنوں کی تو بات ہی الگ ہے۔ اپنوں کے ساتھ بھی ہم نے اس اصول کے مطابق معاملہ نہیں کیا ہوا ہے۔ تو قارئین جان لیجئے کہ حقوق حاصل ہوں گے اسلام کے نظام عدل و قسط سے۔ اسلام کا نظام عدل قائم ہوگا ایک مسلسل جدوجہد سے جس میں جان و مال سب کی قربانی دینی ہوگی۔ غور فرمائیں کہ جمہوری نظام تلے حقوق کے لئے جان کی بازی لگائی گئی نتیجہ سب کے سامنے ہے۔ کاش کہ یہ قربانی اسلامی نظام کے قیام کے لئے پیش کی جاتی۔ یقیناً اس میں ان دیندار حضرات کا بھی قصور ہے۔ جو بازیچہ سیاست جمہوری میں شامل ہیں لیکن اس میں ان قائدین کا بھی حصہ ہے جنہوں نے اپنے عزائم کی تکمیل کے لئے دین اور دینداروں کے خلاف لوگوں کے دلوں میں نفرت پیدا کی ہے۔ حقوق کے حصول کے لئے بالاخر توبہ کا راستہ اختیار کرکے اپنے آپ کو کسی نہ کسی نظم میں پرونا پڑے گا جو اسلام کی سربلندی کی جدوجہد کا علمبردار ہو۔ آخر سارے ہی تو دوکاندار نہیں۔ ان میں کچھ مخلص بھی ہوں گے۔ ان کو تلاش کیجئے اور ان کے دست و بازو بنئے۔

بقیہ : کہتا ہوں سچ

اپنی کوتاہ نظری کا برملا اظہار کرنا چاہئے۔ جو اب تک ڈاکٹر صاحب پر دین و سیاست کی علیحدگی اور عوام میں مایوسی اور بددلی پھیلانے کا الزام لگاتے ہیں۔ حالانکہ وہ خود عوام کو مایوس اور بددل کر چکے ہیں۔ یہی وجہ کہ عوام کبھی اسلام کے لبادہ اوڑھنے والوں اور کبھی روٹی کپڑے اور مکان کے فریب دینے والوں کے جال میں پھنس جاتے ہیں۔ خدارا اب بھی "منہج انقلاب نبوی" کو اختیار کرکے باطل نظام کے خلاف برسرپیکار ہو جاؤ تو ان شاء اللہ کامیابی تمہارے قدم چومے گی۔○○

"اسلام اینڈ دی اکنامک چیلنج"

ڈاکٹر عمر چاپرا اپنی کتاب "اسلام اینڈ دی اکنامک چیلنج" میں' جو برطانیہ اور امریکہ میں شائع ہوئی ہے اور "فاران کلب انٹرنیشنل ' ۹۔ اے' بلاک ۱۷' گلشن اقبال کراچی" نے اسے پرنٹ کیا ہے۔ اسلام کے بنیادی اصولوں' توحید' خلافت اور عدل کی وضاحت کے بعد تحریر کرتے ہیں۔

"صدیوں سے زمینوں کے حصول میں دھاندلیوں اور اسلام کے قانون وراثت پر عمل درآمد نہ ہونے کی وجہ سے بڑی بڑی جاگیریں وجود میں آگئیں اور دیہاتوں میں رہنے والوں کی اکثریت عملاً غلامی' افلاس اور مصائب سے دوچار ہو کر رہ گئی"۔

مولانا مودودی (مرحوم) ابتداً زمین کی ملکیت پر کسی قسم کی پابندی کے خلاف تھے بعد میں اصل صورت حال کو دیکھتے ہوئے اس حد تک قائل ہو گئے تھے کہ اسلامی ریاست عارضی طور پر تو بعض پابندیاں عائد کر سکتی ہے مگر مستقلاً نہیں۔ اس کے لگ بھگ ربع صدی بعد آج اگر مولانا زندہ ہوتے اور جاگیرداروں اور وڈیروں نے جو اودھم مچا رکھا ہے اس کا مشاہدہ کرتے تو ان کی آراء کا اندازہ لگانا مشکل نہیں۔

جاگیرداری نظام کی موجودگی میں اسلامی انقلاب یا شریعت کے نفاذ کی امید رکھنا نری سادہ لوحی اور خوش فہمی ہے۔

(The Universal Message, Oct.'95)

امیر تنظیم اسلامی دین و سیاست کی علیحدگی کے قائل نہیں ہیں!

ڈاکٹر اسرار احمد کی باتیں لوگوں کو کچھ دیر بعد سمجھ آتی ہیں

صدارتی نظام اور چھوٹے صوبوں کے حق میں پہلی آواز انہوں نے ہی بلند کی تھی

ان کی یہ بات بھی سچ ثابت ہو چکی ہے کہ نظام کی تبدیلی انتخابی معرکوں کے ذریعے ممکن نہیں!

مرزا ندیم بیگ

تنظیم اسلامی پاکستان کے امیر اور دعوت رجوع القرآن کے نقیب ڈاکٹر اسرار احمد نے پاکستان کی مروجہ دلدلی اور منافقانہ سیاست کے لئے کبھی بھی اپنے آپ کو اور اپنی تنظیم کو پیش نہیں کیا' یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اس سیاست میں ملوث دینی جماعتوں کو بھی اس سے الگ رہنے کا پیہم مشورہ دیا ہے۔ لیکن کچھ کوتاہ نظر لوگوں نے ڈاکٹر اسرار احمد کے اس مشورے کو "دین و سیاست کی جدائی" قرار دیا۔ جبکہ صورت حال یہ ہے ڈاکٹر صاحب نے کبھی بھی دین و سیاست کو ایک دوسرے سے علیحدہ نہیں جانا۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ موجودہ انتخابی سیاسی کھیل کو بھی کل سیاست نہیں سمجھا۔ وہ اس انتخابی سیاست کے مقابل انقلابی سیاست کو موثر اور بہتر سمجھتے ہیں لہٰذا اس کے لئے وہ مسلسل میدان عمل میں موجود ہیں اور اسی کا مشورہ دوسری دینی جماعتوں کو بھی دیتے ہیں۔

پاکستان کی سیاسی تاریخ بھی اس چیز کی شاہد ہے کہ اس انتخابی سیاست کے ذریعے دینی جماعتیں اپنے مقاصد سے بھی دور ہوئی ہیں اور عوام الناس میں بھی ان کی کوئی خاص پذیرائی نہیں ہوئی' جس کی اصل وجہ ہمارے ہاں کا جاگیرداری نظام ہے کیونکہ یہاں کے جاگیردار ہمارے ملک کے عوام کے ووٹوں کے آڑھتی ہیں اور یہاں ہمیشہ الیکشن "آڑھت" کی بنیاد پر ہی ہوئے ہیں۔ یہی وجہ ہے پاکستان کے بیشتر انتخابی حلقے ان کی خاندانی جاگیر ہیں جبکہ اس کے برعکس کوئی بھی مذہبی سیاسی جماعت کسی انتخابی حلقہ کے بارے میں دعویٰ نہیں کر سکتی کہ یہ ان کا حلقہ انتخاب ہے۔ لہٰذا ڈاکٹر اسرار احمد اس انتخابی سیاست کے بارے میں "ایسی محبت سے ہم باز آئے" کی پالیسی پر شدت سے عمل پیرا ہیں۔ لیکن اس سب کے باوجود انہوں نے کبھی بھی ملک کی سیاسی صورتحال سے صرف نظر نہیں کیا جیسا کہ بعض مذہبی حلقے کر رہے ہیں کہ پاکستان میں لائحہ عمل کچھ اور کسی دوسری جگہ کچھ اور!!

ڈاکٹر اسرار احمد کی بیشتر سیاسی آراء پر بعد میں آنے والی سیاسی حالات نے اکثر و بیشتر مہر تصدیق ثبت کی ہے۔ مثلاً جیسے آج اس ملک کا سنجیدہ اور فہیم عنصر' جن میں نامور ماہر اقتصادیات ڈاکٹر محبوب الحق' نامور صحافی ارشاد احمد حقانی' سپیکر پنجاب اسمبلی محمد حنیف رامے' معروف سیاست دان اصغر خان' سابق سپیکر قومی اسمبلی ملک معراج خالد' سابق وزیر اعظم معین قریشی، مسلم لیگی رہنما اعجاز الحق' معروف عالم دین ڈاکٹر طاہر القادری' سابق سیکرٹری جنرل خارجہ اکرم ذکی اور نامور قانون دان جناب ایس ایم ظفر وغیرہ نے اس ملک کے موجودہ ناگفتہ بہ حالات میں مسائل کا حل صدارتی نظام کو قرار دیا ہے۔ جبکہ یہ رائے ڈاکٹر اسرار احمد نے اس ملک میں کم و بیش دس پندرہ سال پہلے دی تھی کہ موجودہ پارلیمانی نظام انگریز کی وراثت ہے جو اصلاً جاگیرداروں' سرمایہ داروں اور وڈیروں کا "میوزیکل چیر" کا کھیل ہے اور اس پارلیمانی نظام کی سب سے بڑی قباحت کو لوگوں کے سامنے رکھا کہ اس میں سربراہ حکومت کو ہروقت اپنے مینڈکوں کے پھدکنے اور گھوڑوں کے بکنے کا ڈر رہتا ہے لہٰذا وہ ان کو سنبھالنے ہی میں اپنا وقت ضائع کر دیتا ہے یا پھر ان کے پھدکنے اور بکنے کی وجہ سے گھر چلا جاتا ہے۔ لہٰذا اس پارلیمانی نظام کی بجائے صحیح بنیادوں پر استوار صدارتی نظام ہمارے لسانی و علاقائی مسائل حل کا ہے۔ ایسا صدارتی نظام نہیں جس کا ڈھونگ اس ملک میں ایوب خاں اور ضیاء الحق نے رچایا بلکہ ایسا صدارتی نظام جس میں صدر براہ راست لوگوں کے ووٹوں سے منتخب ہوتا ہے اور یہ صدارتی نظام' خلافت کے نظام سے بھی قریب تر ہے۔

اس کے علاوہ ان لوگوں میں سے اکثر و بیشتر نے چھوٹے صوبوں کو صوبائی عصبیت اور جاگیرداری نظام کے خاتمے کا ذریعہ قرار دیا ہے جبکہ یہ رائے بھی اس ملک میں بہت پہلے ڈاکٹر اسرار احمد نے دی تھی لیکن اس وقت اسے "مجذوب کی بڑ" سے تعبیر کیا گیا تھا لیکن اب جب پانی سر تک پہنچ چکا ہے تو ہر طرف واویلا شروع ہو گیا ہے۔ حالانکہ ڈاکٹر صاحب نے ضیاء الحق مرحوم سے بھی کہا تھا کہ ملک کی بارہ کروڑ آبادی کے بارہ صوبے بنا دو لیکن ہمارے حکمرانوں کے لئے انگریز کی کھینچی ہوئی "مقدس" لکیریں زیادہ اہم تھیں۔

اب ان لوگوں کو ہوش کے ناخن لینے چاہیں اور

(باقی صفحہ ۲۲ پر)

> "اس ملک کے جاگیردار عوام کے ووٹوں کے آڑھتی ہیں اور یہاں ہمیشہ الیکشن "آڑھت" کی بنیاد پر ہی ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ پاکستان کے بیشتر انتخابی حلقے ان کی خاندانی جاگیر ہیں"

WEEKLY "NIDA-E-KHILAFAT" LAHORE
36-K, Model Town Lahore- 54700 Regd:No L. 9184

مکتوبِ کراچی

محاصرے اور گرفتاریاں کراچی والوں کا مقدر ٹھہری ہیں!!

اسلام محض شکوک و شبہات کی بنیاد پر کارروائی کی اجازت نہیں دیتا!

ایک شخص کے جرم میں دوسرے شخص پر تشدد کہاں کا انصاف ہے؟

کراچی میں انسانوں کا ہی نہیں' عدل و انصاف کا بھی خون ہوا ہے!

گیاہ ضعیف' کراچی

محاصرے' گرفتاریاں' تشدد' رشوت' جھوٹے پولیس مقابلے اور ہلاکتیں' یہ وہ vicio circle ہے جس کے اندر کراچی کے عوام سالہاسال سے گردش کر رہے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ان تمام کارروائیوں کا ہدف ایک مخصوص طبقہ ہے لیکن یہ بھی نہیں ہے کہ اگر بدقسمتی سے کسی اور طبقے کا فرد یا طبقوں کے افراد اس دائرے میں آ گئے ہوں تو ان کے ساتھ کوئی خصوصی سلوک ہو رہا ہو۔ قانون نافذ کرنے والوں میں اکثریت بدعنوان افراد کی ہے اور ان کا تعلق معاشرے کے ہر طبقے سے ہے لیکن وہ سب مل کر ایک علیحدہ طبقہ بن گئے ہیں۔ اور یہ سب ہو رہا ہے ایک ایسی مملکت میں جو رمضان المبارک کی ستائیسویں شب اسلام کے نام پر وجود میں آئی۔ سب سے پہلے تو ہم یہ دیکھیں کہ ان معاملات میں اسلام کی ہدایات کیا ہیں۔ چند اقتباسات اس دور کے عظیم مفکر اسلام مولانا مودودی مرحوم کی تالیف "اسلامی ریاست" سے پیش کئے جاتے ہیں۔

"شبہات پر کارروائی نہیں کی جائے گی" کے ذیل میں مولانا مرحوم نے لکھا ہے۔ "اسلام میں ہر شخص کو یہ تحفظ حاصل ہے کہ تحقیق کے بغیر اس کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی جائے گی۔ اس سلسلے میں قرآن کی واضح ہدایت ہے کہ کسی کے خلاف اطلاع ملنے پر تحقیقات کر لو تاکہ ایسا نہ ہو کہ کسی گروہ کے خلاف لاعلمی میں کوئی کارروائی کر بیٹھو۔ ملاحظہ ہو آیت : ﴿ان جاءکم فاسق بنبا فتبینوا ان تصیبوا قوما بجہالۃ فتصبحوا علی ما فعلتم نادمین ○﴾ (الحجرات : ٦) "اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو خوب تحقیق کر لو۔ کبھی کسی قوم کو نادانی سے کوئی ضرر نہ پہنچا دو۔ پھر اپنے کئے پر پچھتانا پڑے"۔

اب ذرا لوگ پولیس مقابلوں میں مارے جانے والوں کے بارے میں وزیر داخلہ کا ارشاد ملاحظہ ہو۔ "میں خود بھی اس بات سے متفق ہوں کہ کسی کو کسی دوسرے شخص کو ہلاک کرنے کا لائسنس نہیں دیا جا سکتا۔ سزا عدالتوں سے ہونی چاہئے۔ مگر ہمارے عدالتی نظام میں سقم اور ٹھوس شہادتوں میں کمی کی وجہ سے خطرناک دہشت گرد باآسانی بری ہو جاتے ہیں"۔ چہ خوب است!!۔ بجائے اس کے کہ عدالتی سقم کو دور کیا جائے اور ٹھوس شہادتوں کے حصول کے لئے لوگوں کو اعتماد میں لینے کی کوشش کی جائے اور ان کی جان و مال کے تحفظ کو یقینی بنایا جائے پولیس کو License to kill دے دیا گیا ہے۔

اسی کتاب میں دوسری جگہ مولانا "عمل غیر کی ذمہ داری سے بریت" کے زیر عنوان لکھتے ہیں "اسلام میں آدمی صرف اپنے اعمال اور اپنے جرائم کے لئے جواب دہ ہے۔ دوسروں کے اعمال اور دوسروں کے جرائم میں اسے پکڑا نہیں جا سکتا۔ قرآن نے اصول یہ قرار دیا ہے۔ ﴿ولا تزر وازرۃ وزر اخری﴾ (الانعام : ۱۶۵) "اور کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کے بوجھ اٹھانے پر مکلف نہیں ہے۔ اسلامی قانون میں اس کی گنجائش نہیں کرے داڑھی والا اور پکڑا جائے مونچھوں والا۔ صورت حال یہ ہے کہ اگر مطلوبہ ملزم نہیں ملتا تو اس کے کسی بھی رشتہ دار کو خواہ وہ ضعیف شخص ہو یا کوئی خاتون اسے بخشا نہیں جاتا۔ اس کے ساتھ بھی وہی سلوک ہوتا ہے جو ملزم کی گرفتاری پر اس کے ساتھ ہونا چاہئے تھا حالانکہ "تحفظ ناموس خواتین" کے ذیل میں مولانا رقمطراز ہیں۔ "ایک اور اصولی حق جو ہمیں قرآن سے معلوم ہوتا ہے اور حدیث میں بھی اس کی تفصیلات موجود ہیں یہ ہے کہ عورت کی عصمت ہر حال میں واجب الاحترام ہے یعنی جنگ کے اندر دشمن کے عورتوں سے بھی اگر سابقہ پیش آئے تو کسی مسلمان سپاہی کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ ان پر ہاتھ اٹھا لے"۔ اس تناظر میں حکومت کے اس اقدام کو زیر نظر رکھنا چاہئے

(باقی صفحہ ۲۲ پر)

> "وزیر داخلہ نے کہا ہے کہ "میں خود بھی اس بات سے متفق ہوں کہ کسی کو کسی دوسرے شخص کو ہلاک کرنے کا لائسنس نہیں دیا جا سکتا' سزا عدالتوں سے ہونی چاہئے' مگر ہمارے عدالتی نظام میں سقم اور ٹھوس شہادتوں میں کمی کی وجہ سے خطرناک دہشت گرد باآسانی بری ہو جاتے ہیں"۔ . . . چہ خوب است!!"